نئی نسل کا معمار اور تعمیر و ترقی کا داعی

ماہنامہ

رفیقِ منزل

جلد: ۳۰ | شمارہ: ۹ | ستمبر ۲۰۱۷ء | ذی الحجہ۔ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

editor@rafeeqemanzil.com

MANAGER
Bilal Khan 9029194433
managerrmgp@sio-india.org

Asst. MANAGER
Abdul Jabbar 08447622919
asst.managerrmgp@sio-india.org

₹160 سالانہ | ₹15

D-300, Abul Fazl Enclave Jamia Nagar, Okhla New Delhi - 110025 | Tel: 26949817 | Email:managerrmgp@sio-india.org | www.rafeeqemanzil.com

Printed on behalf of The Students Islamic O rganisation ofIndia, Printer & Publisher Tanveer Alam, Printed at Bharat Offset, 2034/35, Qasim Jan Street, Ballimaran, Delhi - 110006, Published from 230, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025 | **Editor : Abul Aala Sayyed**

ڈاکٹر وقار انور

الفاظ جو منہ سے ادا ہوتے ہیں

عن بلال بن الحارث المزنی ان رسول اللہ ﷺ قال: ان الرجل لیتکلم بالکلمة من رضوان اللہ ما کان یظن ان تبلغ ما بلغت یکتب اللہ له بها رضوانه الی الیوم یلقاہ و إنَّ الرجل لیتکلم بالکلمة من سخط اللہ ما کان یظن ان تبلغ ما بلغت یکتب اللہ له بها سخطه الی یوم یلقاہ۔

(حدیث نمبر ۸۹۰، السلسلة الصحیحة)

''بلال بن حارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: کبھی آدمی اللہ کی خوشنودی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ بلند درجے تک پہنچ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت کے دن اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے۔ اور کبھی آدمی اللہ کی ناراضگی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے، جس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ انتہائی نچلے درجے کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لیے اس بات کی وجہ سے ناراضگی لکھ دیتا ہے۔''

زبان کے درست اور نادرست استعمال کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا یا ناراضگی حاصل کرنے کے سلسلے میں مذکورہ بالا حدیث بہت واضح ہے۔ کبھی کبھی ایک شخص کو اس بات کا گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اللہ تعالیٰ کو کس درجہ پسند یا ناپسند ہوجاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اس کے درجات کتنے بلند ہوجاتے ہیں یا اسے پستی میں کتنا ڈھکیل دیتے ہیں؟

اس طرح زبان کے استعمال کی دونوں طرح کی مثالوں یعنی اچھی یا بری باتوں کے سلسلے میں آں حضرت ﷺ نے اس حدیث کے ذریعے یہ مطلع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے لکھ لیتا ہے۔ (یکتب اللہ له)۔ یہ ویسے ہی جیسے ہم یہ کہیں کہ کسی مضمون کا ایک خاص جملہ نشان زد کردیا گیا ہے۔ یا اسے نمایاں (Highlight) کردیا گیا ہے۔ اس طرح وہ مضمون جب بھی سامنے آئے گا وہ نشان زد اور نمایاں کیا ہوا حصہ سب سے پہلے نگاہوں کے سامنے ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں جب نامۂ اعمال کھلے گا تو وہ خصوصاً لکھا ہوا حصہ خصوصی اجر وثواب کا باعث بنے گا یا عذاب کو دعوت دے گا۔ یہ اندازِ بیان جہاں ایک طرف زبان سے اچھے کلمات ادا کرنے والے شخص کے لیے مژدہ جانفزہ ہے وہیں اپنے کسی قول سے خداوند قدوس کو ناراض کرنے والے شخص کے لیے سخت وعید ہے کہ بظاہر بے خیالی یا لاپرائی میں ادا ہونے والے الفاظ غضب الٰہی کا سبب بن گئے جس کا نتیجہ عذابِ الٰہی ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس خطرناک انجام سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

اس حدیث میں قیامت کے دن کے لیے ملاقات کا دن (یوم یلقاہ) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے جو اس بات کی یاددہانی کے لیے ہے کہ ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے مالکِ حقیقی سے ملاقات کرنی ہے۔ ہر شخص اپنی ذاتی حیثیت میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہوگا اور اپنے ایمان وعمل کے لیے جوابدہ ہوگا۔ اس نازک موقع پر کسی کے حق میں اللہ اپنی خوشنودی کی خبر، دنیا کی زندگی میں زبان سے ادا کیے گئے چند الفاظ کے مجموعے یعنی وہ جملے جن کے ادا کرتے وقت بندہ مومن کو ان کی اہمیت کا احساس بھی نہیں تھا کے سبب دے گا اور انعام واکرام کی بارش کردے گا۔ اس شخص کی خوش بختی کا کیا کہنا؟ دوسری طرف اس بدبخت کے حالت زار کا تصور کیجیے جس نے کبھی کسی موقع پر کوئی غیر ذمہ دارانہ جملہ اپنی زبان سے ادا کیا تھا اور اسے اس وقت اس کا احساس نہیں تھا کہ وہ کس درجہ غلط اور بری بات کہہ رہا ہے اور یہی جملہ اس کے نامہ اعمال کو سیاہ کردے گا اور وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوجائے گا۔ اس وقت وہ کفِ افسوس ملے گا کہ کاش! اس نے اپنی زبان کو لگام دی ہوتی لیکن اس وقت کا حزن وملال اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنے دیگر جوارح کی طرح اپنی زبان کے استعمال میں محتاط رہے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور یومِ آخر پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے۔ دراصل زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں ان کے پیچھے انسان کا ایمان، اس کے جذبات واحساسات اور اس کی پوری شخصیت ہوتی ہے۔ زبان ان سب کا مظہر ہے۔

ہمیں ہمیشہ بلکہ ہنسی ومذاق کے درمیان بھی اچھی سے اچھی بات کہتے رہنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی بات منتخب (Pick up) کرلی جائے اور وہ نجات کا سبب بن جائے۔ اپنی زبان سے کبھی بھی حتیٰ کہ دل لگی اور مزاح کے موڈ میں بھی بری بات نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ کوئی ایک بات بھی نشان زد کرلی جائے اور وہ بلائے جان بن جائے۔

نقش ہیں سب نا تمام ۔ ۔ ۔

حجاز کی وادیوں سے نکل کر ہزاروں مربع میل کی سرزمین پر قائم ہونے والی حکومت، آج بھی نوع انسانی کے حافظے میں ایک حسین یاد کی مانند ہے، جس کا اعتراف اپنے اور غیر، یار اور دشمن سبھی کرتے ہیں۔ جو وصال سرورِ کائنات کے بعد بھی کم وبیش تیس سال اپنی کامل صورت میں موجود رہی اور پھر اس کے اثرات میں کچھ کمیاں واقع ہوتی رہیں اور سینکڑوں برس کے انحطاط سے ہوتے ہوئے کہیں ''ترک ناداں'' کے خنجر کا شکار ہوئی اور کہیں ''نسبی حجازیوں'' کا نوالہ تر بنی۔ مگر یہ بھی امر مسلم ہے کہ نسبتاً اس سے زیادہ پائیدار تبدیلی کی مثال دینے سے آج بھی دنیا قاصر ہے اور رہے گی، کیونکہ گذرتے وقت کے ساتھ آنے والی شام زوال، اس کے پس پشت افکار ونظریات کی نہیں ہے کہ جن کی آفاقیت کو رب کائنات نے مسلم کیا ہوا ہے، بلکہ ان حاملین فکر کی ہے جنہوں نے ''لا تحملنا'' کہہ کر عافیت کو اوڑھ لیا۔

ابتدا یوں ہوئی کہ علم وفکر کی تبدیلی کے ذریعے انسان کے داخل میں ایمان اور خارج میں جہاد کو ظہور میں لانے والی کتاب بقول آغا اپنے رسم الخط کی حد تک رہ گئی، نتیجتاً اس کتاب مبین پر حاملین کتاب کی نظر التفات کا دائرہ یقین وحکمت کے بجائے اقرار وانتظام کے معاملات کی طرف زیادہ مرتکز ہوتا رہا، جو اس کے تناسب کے منافی ہے۔ شارع نے جہاں قانون عطا کیا، اسی کے ہمراہ اس قانون سے کئی گنا زیادہ تلقین خلوص وحکمت بھی کی، مگر مادہ کی افراط نے رفتہ رفتہ نفس کی درویشی کو مات دی اور اس بگڑے تناسب کے باعث انحطاط کے تخم، پود کی شکل میں زمین میں سر ابھارنے لگے، اور بقول سید مودودیؒ ''سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہوکر سامنے نہ آئی تھی بلکہ مسلمان بن کر آئی تھی۔'' اور یہ اسلام کی شان وحدت کا ہی مظہر تھا کہ سیاست وزہد وحکمت یکجا تھے، مگر اس بگاڑ نے اس یکجائی میں تثلیث برپا کردی، جسے سید مودودیؒ نے ان الفاظ میں یاد کیا کہ ''جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر مسلمان کا جلوہ افروز ہونا، جاہلی تعلیم کے مدرسے میں مسلمان کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجادہ پر مسلمان کا مرشد بن کر بیٹھنا، وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔'' اسی تثلیث وتفریق کے ہمراہ برصغیر میں آمد اسلام کے بڑے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، مستزاد مقامی اثرات اور جاہلیت کی آمیزشوں نے تخریب کاری کی۔ عروج طریقت نے استخفاف شریعت کے بیج بوئے، فقہ اصل دین ٹھہرا اور تقلیدی جمود نے تعمیری اذہان کے دروازے بند کیے۔ صوفیانہ وجد ورقص نے مسلمانوں کے قویٰ مضمحل کردیے۔ یورپ کا سیاسی تسلط شاید تابوت کی آخری کیل ہی ثابت ہوجاتا، مگر خداء ذوالجلال نے شیخ سرہندی، عبدالحق دہلوی، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید جیسے فرزندان اسلام اس سرزمین پر بھیجے، جن کی تشریحات نے قلمی ثقافت کے دور میں احیائی تحریکوں کو جنم دیا۔ یہ احیائی تحریکیں ہی تھیں جنہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر نظریں پھیرنے والے اہلیان مدارس اور مغرب کی شان سے ہمقدمی کی خاطر اصولوں سے سمجھوتہ کرنے والے روشن خیالوں، سے الگ اعتدال کی شاہراہ واضح کی۔ نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں۔ لیبیا میں کسی سنوسی نے، مصر میں حسن البنا، ترک میں کوئی نورسی، کہیں ایران میں خمینی، الغرض دنیا کے گوشوں گوشوں سے داعیان انقلاب نمودار ہوتے رہے۔ برصغیر میں بوالکلامی اذان کے بعد کی نیند سے اقبال اور ابوالاعلیٰ مودودی کی نداوں نے بیداری لائی۔ جنہوں نے اسلام کیجا مع تشریح اور اس کے لازوال افکار ونظریات کو مرتب کیا اور اس کے مطابق مثالی لائحہ عمل اور عملی جدوجہد کا نمونہ بھی پیش کیا اور اسلامی انقلاب کے خواب کو دلوں میں زندہ کیا۔ یہ وہ تصورِ انقلاب ہرگز نہیں تھا جو کسی سیاسی تبدیلی کے نام پر فرانس میں، یا معاشی نظریات کی تبدیلی سے روس میں، یا کسی اجتماعی تبدیلی مذہب سے سلطنت روم میں برپا ہوا۔ یہ مسلم اور مومن کے فرق کی وضاحت تھا،

یہ شجر خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے اور شجر طیبہ کی آبیاری کا تصور تھا۔ یہ افراد کے دلوں کو پلٹ دینے سے لے کر نظامہائے اجتماعیت کی اساسات کو بدل دینے کا تصور تھا۔ جس نے اپنی مثالیت پسندی کے اعتبار سے نہ صرف ''متحدہ قومیت'' بلکہ ''مسلم قومیت'' کو بھی مرض قرار دیا۔ نہ صرف ایک پختہ فکر بلکہ حاملین فکر بھی، قریہ قریہ بستی بستی، کہیں پیدل کہیں بیل گاڑیوں پر، کاندھوں پر جھولا لئے، شہادت حق اور اقامت دین سمجھاتے ہوئے من احبّ للہ وابغض للہ کی تصویر بنے رہتے۔ اس حیثیت سے تو قومیتوں کی تقسیم اور مغرب کے سیاسی تسلط سے آزادی کے بعد اب وطن ہٰذا میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کے لئے تحریک احیاء دین کی علمبردار جماعت کو مسلمانوں کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت ہونا تھا، مگر صورتحال، قال سے بہت مختلف ہے۔ انقلاب اسلامی کا بیانیہ جو قران وسیرت سے ماخوذ دین کا اصل بیانیہ ہے، کی اشاعت اب بھی مسلمانان ہند کی انتہائی قلیل تعداد تک ہوئی ہے۔ اب بھی فکر سے خالی، مراسم عبودیت پر اکتفا کرنے والے کروڑوں ہیں اور اپنے خلوص وایثار کی بنا پر بڑھتے بھی ہیں۔ وہیں دوسری طرف اس فکر کے انقلابی پہلو ہی کو پسپائی عطا کر کے گاندھی کے قصیدہ خواں بھی موجود ہیں۔ کچھ رسم عبادت تک تو کچھ زبانی شہادت تک، مگر آخری منزل یعنی اقامت تک کا فلسفہ رکھنے والے، حاملین فکر انقلاب، کہیں اپنے شعوری ایمان کے جذبہ تفاخر میں عمل سے مضمحل تو نہیں ہورہے۔ وسائل کی قلت اور حالات کی ناسازگاری تھی تو نفس بھی درویشانہ تھا، فکر میں بے مثال عزیمت اور مقصد انقلاب تھا، مگر اب جب کہ وسائل میں اضافہ ہوا ہے نفس عافیت پسندی کی طرف مائل، مطلوبہ اور ممکنہ انقلاب کے اسباق لکھ رہا ہے۔ پیامبر کے عزم کی ضرورت ہے، گاڑی نہ بھی ہو تو پیدل ہی سہی، مگر گاڑی پا کر پیامبر تیز سے تیز تر نہ ہو تو قصور واضح ہوجاتا ہے۔ کل کو قربانیاں دینے والے مثال بنا کرتے تھے، خدا نہ کرے کہ ایسا ہو اب نشان عبرت بن جایا کریں۔ اخبارات، رسائل، دفاتر، گاڑیاں، ادارے بڑھتے جائیں مگر امانت داری کم ہوجائے تو جمود تو آئے گا ہی۔ لوگوں کے قلوب میں انقلاب برپا نہ ہوا اور اس پر ووٹ کی امید لگا کر نظام باطل کا حصہ بن کر سیاسی داو پیچ آزمانا، افراد ووسائل کا زیاں ہوتا ہے۔ جو ایک طرف ایجنڈے کے نفاذ میں عجلت پسندی کا مظہر ہے اور نتیجتاً زمینی مقاصد کے حصول سے مزید دور کرتا جاتا ہے اور دوسری طرف ایک فریق کی حیثیت سے قبول حق کے جذبہ کو کمزور بھی کرتا ہے۔ پڑوسی ملک میں ہی نظر ڈالیں تو وہاں اب داعیان انقلاب ایک سیاسی فریق ہی نظر آتے ہیں، اور اعلیٰ ذمہ داران مصالحتوں کے ہتھے مزاروں پر پھولوں کی چادر کے ساتھ بھی تصویروں میں دکھتے ہیں۔

انقلاب ایک پختہ فکر چاہتا ہے، اسے ایک غیر مصالحانہ انداز فکر درکار ہے اور ساتھ ہی اسے اہلیان فکر کی زندگیوں کی ضرورت ہے پھر موارد قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ لمحات فرصت میں دین کا کام کرتے ہوئے انقلاب کی توقع کرنے کے بجائے معجزات کا انتظار کرنا چاہیئے۔

اپنی زندگیاں کھپا دینا ہی اس انقلاب کے لئے سرمایہ ہے، افسوس کہ اس کے لئے کوئی شارٹ کٹ نہیں۔

انقلاب کے داعی زندگی لٹاتے ہیں
اپنا سر کٹاتے ہیں تب فلاح پاتے ہیں
خون جب ٹپکتا ہے انقلاب آتے ہیں

● ذکی مومن

نظر

انقلاب فرانس

محرکات، اثرات اور سبق

ڈاکٹر عدنان الحق خان

تبدیلی اور انقلاب فطرت کا اصول ہے۔ دنیا کی ہر شے تغیر پذیر واقع ہوئی ہے۔ پے در پے ہونے والی تبدیلیوں سے انقلاب جنم لیتے ہیں۔ انقلابی تصورات انسانی سماج اور معاشرہ کی بقا اور اس کی حیات کے لیے ناگزیر ہیں۔ انقلابی روح، انقلابی تصور اور انقلابی سوچ سے عاری سماج کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ وہاں ظلم و بربریت اور استحصال کا دور دورہ ہوتا ہے، انسانوں میں بے حسی پیدا ہوجاتی ہے۔ ظلم کو روکنے کے لیے انسانیت کے اولین دور سے ہی اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت یہ رہی ہے کہ اقتدار کسی ایک فرد یا ایک گروہ کے ہاتھ میں مستقلاً نہ رہے بلکہ وہ افراد، گروہوں اور جماعتوں کے مابین منتقل ہوتا رہے۔ اسی سنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں یوں بیان کیا ہے: ''اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو، زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔'' (البقرۃ:۲۵۱)

اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہمیں دنیا میں رونما ہونے والے گوناگوں سیاسی انقلابات میں نظر آتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم انقلاب فرانس، اس کے اسباب اور اثرات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ فرانس کا انقلاب ۱۷۸۹ء سے لے کر ۱۷۹۹ء تک ۱۰ سال کے عرصے میں رونما ہوا۔ اس انقلاب نے دنیا کی جدید جمہوری نظام کی طرف رہنمائی کی۔ ساتھ ہی تاریخ انسانی پر اپنے اثرات کی مناسبت سے یہ انقلاب کافی اہمیت کا حامل ہے۔

انقلابِ فرانس کے اسباب

(۱) طبقاتی نظام (مراعات کا نظام): فرانس میں قدیم زمانے سے سماج تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ پہلے طبقے میں پادری اور چرچ سے وابستہ لوگ آتے تھے۔ دوسرے طبقہ میں امراء (Nobility) اور تیسرے طبقے میں بڑے تاجر، سوداگر، عدالت کے افسران و وکلاء، دہقان کسان اور مزدور شامل ہوتے تھے۔ ان طبقات کے اوپر خدا کی طرف سے نامزد مانا جانے والا بادشاہ ہوتا تھا۔ آبادی کا تقریباً ۹۰ فیصد حصہ کسانوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے بہت کم کے پاس اپنی زمین تھی۔ ۶۰ فیصد زمین پر امراء چرچ اور تیسرے طبقے کے مالدار لوگ قابض تھے۔ اس طبقاتی نظام میں پہلے دو کو پیدائش ہی سے مخصوص مراعات حاصل تھیں۔ وہ ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ جس کی وجہ سے ٹیکس کی ادائیگی کا سارا بوجھ تیسرے طبقے کو برداشت کرنا پڑتا۔ امراء کو جاگیردارانہ مراعات بھی حاصل تھیں اور وہ کسانوں سے جاگیر ٹیکس کی شکل میں وصول کرتے تھے۔ چرچ عشر (Tithes) کی شکل میں اور بادشاہ ریاستی ٹیکس (Taithe) کی صورت میں مزید ٹیکس کاشتکاروں سے وصول کیا کرتے تھے۔ اس استحصال پر مبنی نظام اور عدم مساوات کی وجہ سے تیسرے طبقے میں شدید غم وغصہ کی لہر پیدا ہوئی۔ جو انقلاب فرانس کا اہم سبب بنی۔

(۲) معاشی بحران: ۱۷۷۴ء میں Bourbon خاندان کا بادشاہ لوئی سولہواں (Loivis XVI) جب تخت نشین ہوا تو اس نے خزانہ خالی پایا کیونکہ فرانس نے ۱۳/امریکی کالونیوں کے مشترک دشمن برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے میں مدد کی تھی جس کی وجہ سے ملک کے معاشی وسائل بری طرح متاثر ہوئے۔ حکومت پر قرض بڑھنے لگا۔ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بادشاہ ٹیکس بڑھانے پر مجبور ہوا۔ لوئی سولہویں کے ٹیکس لادنے کی خبر سے مراعات کے خلاف لوگوں میں احتجاج کی لہر پیدا ہوئی۔

(۳) انسانی حقوق کی پامالی: فرانس میں غلاموں، مزدوروں اور خواتین کے حقوق کی پامالی اور استحصال بھی انقلاب کی وجوہات ہیں۔ فرانسیسی تاجر افریقہ کے ملکوں سے غلام خرید کر لاتے تھے اور اپنی تجارت کو بڑھانے کے لیے ان کا استعمال کرتے تھے۔ ان غلاموں کا استحصال کیا جاتا تھا۔ سماج میں عورتوں کو بھی دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ تیسرے طبقے کی خواتین کے پاس نہ تو تعلیم ہوتی تھی نہ کاروبار کرنے کی ٹریننگ۔ عورتوں کو مردوں کے مقابلے کم اجرت ملتی تھی۔ اسی طرح مزدوروں کی تنخواہیں مالکان طے کرتے تھے، اس لیے فرانس میں مہنگائی بڑھنے کے باوجود مزدوروں کی تنخواہ میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے امرا اور غرباء کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا۔ اور غریب عوام اناج خریدنے تک سے معذور ہوگئے۔

(۴) انقلابی تصورات: تیسرے طبقے میں موجود تعلیم یافتہ افراد جن میں سوداگر، اشیاء ساز، وکلا اور انتظامی افسران شامل تھے۔ ان افراد پر مبنی ایک متوسط طبقہ وجود میں آیا۔ اس طبقہ کا خیال تھا کہ سماج میں موجود کسی بھی گروہ کو اس کی پیدائش کی بنیاد پر مراعات حاصل نہیں ہونی چاہئیں۔ اس کے بجائے کسی شخص کی سماجی حیثیت اس کی قابلیت پر منحصر ہونی چاہیے۔ لاک (Locke) اور روسو (Rousseau) جیسے مغربی فلسفیوں نے آزادی اور مساوات پر مبنی سماج کا تصور دیا جو مقبول ہونے لگا۔ لاک نے بادشاہ کے الوہی اور قطعی اختیارات کو مسترد کیا جبکہ روسو نے عوام اور ان کے نمائندوں کے درمیان معاہدۂ عمرانی پر مبنی طرزِ حکومت کی تجویز پیش کی۔ اس کے بعد مانٹیکو نے مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے درمیان حکومت میں اختیارات کی تقسیم کی تجویز The Spirit of the Laws میں پیش کی۔ برطانیہ سے اپنی آزادی کے اعلان کے بعد ۱۳ امریکی کالونیوں نے USA کی بنیاد رکھی تب ان ہی مفکرین کا حکومتی ماڈل نافذ کیا گیا اور چونکہ ۱۷۷۶ء میں وقوع پذیر ہونے والا امریکی انقلاب ہی

انقلاب فرانس کے لیے اہم Source of Inspiration رہا ہے۔ اس لیے امریکی آئین اور افراد کے حقوق کی گارنٹی فرانس میں انقلابی تصور کے لیے ایک اہم مثال بنی۔ یہ انقلابی تصورات عام لوگوں میں پھیلنے لگے جس کی وجہ سے انقلاب کی ابتداء ہوئی۔

انقلاب کے مراحل: انقلاب فرانس کو ۳ مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) پہلا مرحلہ: مجلس عامہ کے اجلاس اور آئینی بادشاہت (۱۷۸۹ء-۱۷۹۱ء)

معاشی بحران کے حل کے لیے لوئی سولہویں نے ٹیکس بڑھانے کے لیے اسٹیٹس جنرل Estates General مجلس عامہ کا اجلاس ۵ مئی ۱۷۸۹ء کو طلب کیا۔ کیونکہ ملک کے قدیم قانون کے مطابق ٹیکس کے بارے میں فیصلہ مجلس عامہ کے اجلاس کے بغیر بادشاہ خود نہیں کرسکتا تھا۔ اسٹیٹس جنرل کے اجلاس میں پہلے اور دوسرے اسٹیٹ کے تین تین سو نمائندوں اور تیسرے اسٹیٹ کے چھ سو نمائندوں نے شرکت کی۔ تیسرے اسٹیٹ کی نمائندگی نسبتاً خوش حال اور تعلیم یافتہ لوگ کررہے تھے کیونکہ کسان، کاشتکاروں، خواتین اور غلاموں کا داخلہ اس اجتماع میں ممنوع تھا۔ البتہ ان سبھی کے مطالبات نمائندے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ماضی میں مجلس عامہ میں ہر طبقہ (Estate) کا ایک ووٹ ہوتا تھا۔ بادشاہ نے اس بار بھی اسی اصول پر زور دیا۔ لیکن تیسرے اسٹیٹ کے ممبران نے اسمبلی کے ہر ممبر کے لیے ایک ووٹ دینے کا مطالبہ کیا۔ یہ وہ جمہوری اصول تھا جو روسو نے اپنی کتاب معاہدہ عمرانی (The Social Contract) میں پیش کیا تھا۔ لوئی سولہویں نے اس تجویز کو مسترد کردیا۔ جواباً تیسرے اسٹیٹ کے ممبران احتجاج کے طور پر ۲۰/جنوری کو اجلاس چھوڑ کر ورسائے (Versailles) کے انڈور ٹینس کورٹ کے ہال میں جمع ہوئے اور اپنے اجلاس کے قومی اسمبلی (National Assembly) ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور قسم کھائی کہ ان کا اجلاس اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک فرانس کے لیے آئین کا مسودہ نہ تیار کرلیں۔ جو بادشاہ کے اختیارات کو محدود کردے۔ اس اجلاس کی نمائندگی مرابیو (Mirabeau) اور آبے سئے (Abbe Sieys) جیسے لوگ کررہے تھے۔

ایک جانب قومی اسمبلی چل رہی تھی تو دوسری جانب فرانس میں خوف کا ماحول پیدا ہوگیا۔ خراب فصل اور پاؤروٹی کی قیمتوں میں اضافہ اور پھر ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے بیکری کے سامنے لائنوں میں گھنٹوں کھڑے رہنے کے بعد ناراض عورتوں کی بھیڑ نے دکانوں پر دھاوا بول دیا۔ بادشاہ نے ریاستی دستوں کو پیرس میں داخلے کا حکم دے دیا جس کے بعد ۱۴/جولائی ۱۷۸۹ء کو ناراض بھیڑ ٹاؤن ہال کے سامنے جمع ہوگئی جس میں ۷۰۰۰ مرد و خواتین شامل تھے۔ اور پھر اس بھیڑ نے پیرس کے مشرقی جانب واقع Bastille (قید خانہ) پر حملہ کردیا۔ یہ قلعہ بند قید خانہ اور اسلحہ ذخیرہ خانہ تھا جو مطلق العنانیت کی علامت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ بعد ازاں شہروں اور دیہاتوں میں فسادات پھوٹ پڑے۔ کسانوں نے جاگیرداروں کے قلعوں پر حملہ کردیا۔ امراء کی بڑی تعداد اپنے جاگیروں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ باغی رعایا کی اس طاقت کو دیکھ کر بالآخر لوئی سولہویں نے قومی اسمبلی کو تسلیم کرلیا۔

۶/اگست ۱۷۸۹ء کو تمام ٹیکس اور سبھی قسم کی مراعات ختم کردی گئیں۔ چرچ کی ملکیت ضبط کرکے اسے حکومت کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۷۹۱ء میں قومی اسمبلی نے آئین کا مسودہ مکمل کرلیا۔ بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرکے ان اختیارات کو مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ جیسے اداروں کو دے دیا گیا۔ اس طرح فرانس میں آئینی قیادت قائم ہوگئی۔ اور آئین کی رو سے ۲۵ سال سے زیادہ عمر والے صرف ایسے مردوں کو ہی فعال شہری (جنھیں ووٹ دینے کا حق تھا) کا درجہ دیا گیا جو کم از کم ۳ دن کی مزدوری کے برابر ٹیکس کی رقم ادا کرتے تھے۔ آئین کی ابتدا ''آدمی اور شہری کے حقوق کے اعلان'' کے ساتھ ہوئی۔ زندہ رہنے کا حق، تقریر اور نظریاتی آزادی، قانون کے تئیں برابری کو قدرتی حق تسلیم کیا گیا اور ناقابل انتقال بنایا گیا۔ اور شہریوں کے پیدائشی حقوق کا تحفظ ریاست کا فرض اولین قرار دیا گیا۔

(۲) دوسرا مرحلہ: فرانس میں جمہوریت کا قیام (۱۷۹۱ تا ۱۷۹۲ء)

لوئی سولہویں نے آئین پر دستخط تو کردیے تھے مگر اس نے پرشیا کے بادشاہ کے ساتھ خفیہ سازباز شروع کردی۔ چونکہ فرانس کے سبھی پڑوسی ممالک فرانس میں ہورہے حالات سے متفکر تھے۔ اس لیے پرشیا اور آسٹریا نے اپنی فوج بھیج کر فرانس کے انقلاب کو دبانے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن قومی اسمبلی نے اپریل ۱۷۹۲ء میں پرشیا اور آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ ان جنگوں کی بدولت عوام پر معاشی مشکلات بڑھنے لگیں۔ اس کے علاوہ ۱۷۹۱ء کے آئین نے صرف سماج کے مالدار طبقہ کو ہی سیاسی حقوق دیے تھے۔ اس لیے آبادی کی ایک بڑی تعداد چاہتی تھی کہ انقلاب کو مزید آگے لے جانے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے سیاسی کلب ان لوگوں کے اجتماع کا مرکز بن گئے جو حکومت کی پالیسیوں پر بحث کرنا چاہتے تھے۔ ان کلبوں میں کامیاب ترین کلب جیکو بین (Jacobins) کا تھا۔ میکسی ملین رابس پیئر (Maximillian Robespierre) ان سب کا رہنما تھا۔ ۱۷۹۲ء کی گرمیوں میں جیکو بینز نے پیرس کے باشندوں کی مدد سے بغاوت کا منصوبہ بنایا۔ ۱۰/اگست کی صبح انھوں نے ٹیولیریرے (Tuileries) کے محل پر دھاوا بول دیا اور بادشاہ کو یرغمال بنالیا۔ بعد میں اسمبلی نے شاہی خاندان کے لوگوں کو قید میں ڈالنے کا حکم دیا۔ بغاوت کے بعد انتخابات ہوئے اور اس کے بعد سے ۲۱ سال سے اوپر تمام مردوں کو بلا لحاظ ٹیکس اور دولت ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا۔ اب نئی منتخب اسمبلی کا نام قومی کنونشن (National convention) رکھا گیا۔ اور جیکو بین حکومت کی شروعات ہوئی۔ ۲۱/ستمبر ۱۷۹۲ء کو کنونشن نے بادشاہت کو ختم کردیا اور فرانس ایک جمہوریہ بن گیا۔ عدالت نے لوئی سولہویں کو قتل کی سزا سنائی اور ۲۱/جنوری ۱۷۹۳ کو اسے عوام کے سامنے موت کی سزا دی گئی۔

(۳) تیسرا مرحلہ: خوف وہراس کا دور اور فوجی تاناشاہ (۱۷۹۳ تا ۱۷۹۹)

جیکو بنس حکومت کا سربراہ رابس پیئر (Robespierre) تھا جس نے سخت کنٹرول اور سزا کی پالیسی پر عمل کیا۔ جس کے نتیجہ میں ۱۷۹۳ سے ۱۷۹۴ تک کا زمانہ خوف وہراس (Terror) کا دور کہلاتا ہے۔ جو لوگ رابس پیئر سے متفق نہیں تھے۔ ان کو گرفتار کرکے اور انقلابی عدالتوں میں مقدمے چلا کر گلوٹن کے ذریعہ ان کی گردن اڑادی جاتی تھی۔ رابس پیئر نے اپنی پالیسی پر اس سختی سے عمل کیا کہ اس کے مددگاروں نے بھی اعتدال پسندی کا مطالبہ شروع کردیا۔ آخر کار جولائی ۱۷۹۴ء میں ایک عدالت نے اس کو گرفتار کرکے موت کی سزا سنائی۔ اگلے ہی دن گلوٹن سے اس کی گردن اڑادی گئی۔ جیکو بن حکومت کے زوال کے سبب دولت مند متوسط طبقات کو اقتدار پر قبضے کا موقع مل گیا۔ ایک نیا آئین نافذ کیا گیا۔ اس آئین نے آبادی کے غیر دولت مند متوسط طبقات سے ووٹ دینے کا حق چھین لیا۔ اس آئین کے تحت ۲ قانون ساز کونسلوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان کونسلوں نے ایک مجلس منتظمہ کا تقرر کیا جو پانچ افراد پر مشتمل تھی جسے انتظامیہ کی ڈائریکٹری کہا گیا۔ ڈائریکٹری اکثر قانون ساز کونسلوں سے ٹکرا جاتی جس نے انھوں نے برخاست کرنے کی کوشش کی

ڈائریکٹری کے عدم استحکام نے فوجی تاناشاہ کے عروج کے لیے راہ ہموار کی۔ جس کے نتیجہ میں فوجی جرنیل نپولین بونا پارٹ نے ۹ نومبر ۱۷۹۹ کو ڈائریکٹری ختم کر کے Consulate بنائی۔ آخر کار ۱۸۰۴ء میں اس نے خود کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ نپولین کی فوجی تاناشاہ حکومت ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۵ کے درمیان رہی۔ اس طرح انقلاب فرانس کا اختتام فوجی تاناشاہ حکومت پر ہوا۔

انقلاب فرانس کے اثرات: انقلاب فرانس نے آزادی، مساوات اور اخوت کے نعرے پیش کیے۔ اس انقلاب سے جدید جمہوری ریاست کے قیام کا راستہ ہموار ہوا۔ فرانس انسانی حقوق کا علمبردار بن کر سامنے آیا۔

(۱) **فرانس پر انقلاب کے اثرات:** انقلاب فرانس کی بدولت سلطنت فرانس ایک قومی حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ مراعات کا نظام، جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہوا۔ بادشاہ کے الوہی اختیارات کے تصور کی بیخ کنی ہوئی۔ چرچ کی حکمرانی ختم ہوئی۔ فرانس کا قومی ترانہ مارسیلے اور قومی پرچم بھی انقلابِ فرانس ہی کی دین ہے۔ اسی طرح فرانس کا آئین براعظم یورپ کا پہلا تحریری آئین ثابت ہوا۔ انسانوں اور شہریوں کے حقوق کے اعلامیہ کی وجہ سے فرانسیسی عوام کو برابری کا حق، اظہارِ خیال کی آزادی، انجمنوں کو قائم کرنے کا حق، اپنی نجی ملکیت خریدنے کا حق قانون کی نظر میں برابری اور حکومت کے غلط اقدامات پر تنقید کرنے کا حق جیسے حقوق و اختیارات حاصل ہوئے۔ چرچ کی اجارہ داری ختم ہونے کی وجہ سے عوام اندھی تقلید کے بجائے عقلی دلائل کا ذکر کرنے لگے۔ دوران انقلاب انتظامی امور میں دوررس تبدیلیاں کی گئیں۔ National Convention نے پورے فرانس کے لیے انتظامیہ اور مقننہ سے آزاد عدلیہ کا نظام قائم کیا جس کی نظر میں سبھی عوام مساوی تھے۔ کاشتکاروں پر لادے گئے گونا گوں قسم کے ٹیکس کا خاتمہ ہوا۔ اور ان کی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ انقلابِ فرانس کے ذریعہ ہی غلامی پر تنقید شروع ہوئی اور جیکو بین حکومت نے ۱۷۹۴ میں غلامی کا انسداد کیا اور غلاموں کو مساوی حقوق فراہم کیے گئے۔ گو کہ یہ اقدام صرف دس سال تک ہی رہا۔ اس کے بعد نپولین نے غلامی کا رواج دوبارہ شروع کر دیا۔ آخر کار ۱۸۴۸ء میں تمام فرانسیسی نوآبادیات سے غلامی کا رواج مٹایا گیا۔

۱۷۸۹ء میں Bastile پر دھاوا بولنے کے فوراً بعد ہی قانون احتساب (سنسرشپ) کو ختم کیا گیا۔ پرانی حکومت نے نشر و اشاعت اور اخبارات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ کسی بھی قسم کا تحریری مواد بادشاہ کے محتسب کی منظوری کے بغیر منظر عام پر نہیں آسکتا تھا۔ لیکن انسانی اور شہری حقوق کے اعلامیہ کی وجہ سے پریس کو آزادی فراہم ہوئی۔ اظہارِ رائے کی آزادی بحال ہوئی اور فرانس میں تحریری مواد کا سیلاب سا آ گیا۔ آزادی، مساوات اور اخوت کے نعرے تیزی سے عام ہوئے۔

(۲) **خواتین پر انقلا ب کے اثرات:** انقلاب فرانس کے دوران خواتین نے اپنے مسائل پر بحث کرنے کے لیے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے سیاسی کلب اور اخبارات شروع کیے۔ خواتین کے ۶۰ سے زائد کلب تھے۔ جن میں The Society of Revolutionary and Repulic Women قابلِ ذکر ہے۔ ۱۷۹۱ء کے دستور نے تو انھیں مجہول شہری کے زمرے میں شمار کیا تھا۔ مگر جیکو بین حکومت میں کچھ ایسے قوانین نافذ کیے گئے جن سے عورتوں کی حالت میں بہتری پیدا ہوئی۔ ان کی تعلیم کے لیے کوششیں کی گئیں۔ تاہم مساوی حقوق کے لیے عورتوں کی جدوجہد جاری رہی۔ ۱۷۹۳ء میں ایک انقلابی خاتون اولمپ دے گوز (Olympede Gouyes) نے عورتوں کے شہری حقوق کا مسودہ تیار کیا جس پر عمل کرنے کے لیے اس نے ملکہ اور قومی اسمبلی کے ممبران سے اپیل کی۔ جس کی پاداش میں گوز کو جیکو بین حکومت نے اسے سزائے موت دی۔ بہر کیف انقلاب فرانس میں خواتین نے بڑے پیمانے پر کام کیا۔ آخر کار ۱۹۴۶ء میں جا کر فرانس میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو سکا۔

(۳) **دنیا کی تاریخ پر انقلاب کے اثرات:** فرانس کے انقلاب کے یورپ اور دنیا کی تاریخ پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ آزادی اور جمہوری حقوق جیسے خیالات پورے یورپ اور پھر دنیا میں پھیل گئے۔ پولینڈ، آئرلینڈ اور جرمنی و اٹلی کے متوسط طبقات نے فرانس کے انقلاب کی حمایت کی جبکہ پرشیا، برطانیہ جیسے ممالک نے اس کے خلاف کام کیا اور انقلاب کو کچلنے کے لیے جنگیں لڑیں۔ دوسری طرف فرانس آزادی، مساوات، اخوت، جمہوری اقدار، انسانیت اور حقوق انسانی کا دعویدار بن کر کھڑا ہوا۔ ۱۷۹۹ء کے بعد رونما ہونے والے انقلابات کے لیے انقلاب فرانس ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں نپولین کی شکست کے بعد یورپ میں Concert of Europe بنایا گیا، جس کی بنا پر بین الاقوامی نظام Internationalism کی طرف پیش رفت ہوئی اور اسی طرز پر UNO کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان میں ٹیپو سلطان نے آزادی کی تحریک کے لیے فرانس کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی اسی طرح راجہ رام موہن رائے کے خیالات پر بھی انقلاب فرانس کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔

انقلاب فرانس کا سبق: تاریخی واقعات اور ماضی کی اقوام کے طرزِ عمل سے سبق حاصل کرنا تاریخ کے مطالعہ کا اہم مقصد ہے۔ چنانچہ فرانس کے انقلاب میں بھی ہمارے لیے کافی اہم اسباق پوشیدہ ہیں۔

(۱) پیدائش کی بنیاد پر کچھ افراد کو مراعات ملنا سماج کے توازن میں خلل ڈالتا ہے۔ عدم مساوات پر مبنی طبقاتی نظام ظلم و جبر کو جنم دیتا ہے۔ اور ظلم تو پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔ فرانس کے انقلاب کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ ایک مرحلے میں عام افراد ظلم کے خلاف کھڑے ہوجاتے ہیں۔

(۲) حکمران قیادت کو عوام کے سامنے جوابدہ ہونا چاہیے۔ کسی ایک فرد کے ہاتھ میں مکمل اختیارات کے ارتکاز سے استحصالی نظام پیدا ہوتا ہے۔ لوئی سولہویں کے بعد رابس پیئر اور پھر نپولین کے ہاتھ میں جب ساری قوت آئی تو ظلم کی راہیں ہموار ہوگئیں۔ اسی لیے اقتدار کی غیر مرکزیت ہی جمہوری قدروں کو باقی رکھنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

(۳) فرانس کا انقلاب بادشاہت سے شروع ہوا لیکن بادشاہت ختم نہ ہوسکی۔ اس انقلاب نے دنیا کو بہت سے جمہوری نعرے تو دیے لیکن انقلاب پسندوں کی قربانیاں ضائع ہوئیں اور انقلاب کو پہلے رابس پیئر نے غلط رخ دے دیا بالفاظ دیگر (Hijack) کر لیا اور آخر کار نپولین خود فرانس کے سیاہ و سپید کا مالک بن بیٹھا۔ انقلابات اکثر رونما ہوجاتے ہیں۔ مگر انقلاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں تحریکیں ناکام ہوتی ہیں۔ اس لیے انقلابات کا محض رونما ہوجانا اہم نہیں ہے بلکہ نظامِ عدل کا قیام اصل منزل ہے۔ اس منزل کے حصول میں وہی انقلاب کامیاب ہوسکتا ہے جس کی نظریاتی اساس، الٰہی ہدایت پر رکھی گئی ہو۔

انقلاب ایران

وجوہات، نتائج و معاصر دنیا پر اس کا عکس

ڈاکٹر خالد محسن

۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کا دن صرف ایران ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک تاریخی دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دن تھا جس میں انقلاب اسلامی ایران وجود میں آیا۔ انقلاب ایران ایک ہمہ جہتی اور حقیقی انقلاب تھا۔ ایک ایسے دور میں جب مذہب کو افیون سمجھ کر سیاست اور دنیاوی معاملات میں غیر اہم تصور کیا جاتا تھا۔ ایسے میں اسلام کے نظریہ سیاسی کی زبردست عملی تفسیر کی شکل میں انقلاب ایران کا رونما ہونا ایک معجزہ تصور کیا گیا۔ اسلامی تحریکات جہاں جہاں کوشاں تھیں ان کے لئے یہ انتہائی حوصلہ افزاء مرحلہ تھا۔ ان کے خوابوں کی عملی تعبیر بھی۔

انقلاب ایران کو ۳۸ سال گزر گئے ہیں لیکن آج بھی اسلام پسندوں کے لیے یہ تحریک کا باعث ہے۔ بقول مختار مسعود ''انقلاب چاہے کتنا ہی پرانا ہو اس کی داستان ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ جہد و عمل بیداری و خود شناسی، جنوں اور لہو کی داستان بھی کہیں پرانی ہو سکتی ہے۔ زمانہ اس کو بار بار دہراتا ہے فرق صرف نام، مقام اور وقت کا ہوتا ہے''۔

از انقلاب زمانہ عجب سدار کہ چرخ
ازیں فسانہ کہ افسوں ہزار دا ر یاد

انقلاب ایران کے سبب ڈھائی ہزار سال پرانے نظام حکومت کا خاتمہ میں آیا۔ اور اسلامی جمہوریہ ایران کا قیام عمل میں آیا۔ انقلاب ایران سے قبل تاریخ تین بڑے انقلابات سے واقف تھی۔ انقلاب فرانس، روس اور چین کے انقلابات کے اثرات ان ہی ممالک کی حدود کو متاثر کرنے والے تھے۔ اور اسباب بھی سبھی کے کم و بیش یکساں تھے لیکن انقلاب ایران کے اثرات عالمی تھے۔ اس انقلاب کے سبب دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک نئی انقلابی روح بیدار ہوئی۔ جس نے امریکی سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ بھر دیا۔

انقلاب ایران سے متعلق فریڈ ہالی ڈے اپنی کتاب ''ڈکٹیٹر شپ اینڈ ڈیولپمنٹ'' میں اس انقلاب کی انفرادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''یہ انقلاب ایک ایسے ملک میں آیا جو اپنے مسائل کے باوجود دنیا کے بہت سے ملکوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھا کیونکہ آج تک انقلاب جن ملکوں میں آئے تھے وہ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے۔ دنیا میں پہلی بار ایسا ہوا کہ ایک فوج جو بیرونی طاقت سے ٹکرا کر کمزور نہیں ہوئی تھی مسلسل اور منظم عوامی اقدامات کے ذریعہ شکست سے دوچار ہوگئی''۔

اسباب و وجوہات : ایران میں بادشاہت کی تاریخ ڈھائی ہزار سال پر مشتمل رہی ہے۔ بادشاہ مائز سے لیکر رضا شاہ پہلوی تک ایرانی قوم نے شاہی طرز حکومت کے مختلف ادوار دیکھے۔ پہلوی خاندان کی تقریبا ۶۰ سالہ تاریخ انقلاب ایران کے اسباب کو جاننے کے لئے ضروری ہے۔ رضا خان جو ایک معمولی سپاہی کا بیٹا تھا ۱۹۲۰ میں فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں جب ایران کے داخلی حالات دگرگوں

تھے تو نوجوان رضا خان نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر ملک میں تختہ پلٹ دیا۔ اس وقت امریکہ اور انگلینڈ ایران کے اتحادی تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے باعث اقتدار حاصل ہوا تو دوسری جنگ عظیم میں سابقہ اتحادیوں کے بجائے رضا خان نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ روس اور انگلینڈ کی فوجیں ایران میں داخل ہوگئی اور بادشاہ کو ان کے دباؤ پر اقتدار اپنے بیٹے محمد رضا شاہ کو منتقل کرنا پڑا اور افریقہ چلے جانا پڑا۔ اتحادی افواج کے ہاتھوں والد کے حشر سے سبق حاصل کرنے کے بجائے رضا شاہ پہلوا نکا الہ کار بن گیا۔ اور وہ ظلم کا بازار گرم کیا جس کے لازمی نتائج انقلاب کا باعث بنے۔

رضا شاہ پہلو نے اپنی آمریت کی بدترین تصاویر پیش کیں۔ جمہوری حقوق کی پامالی اس حکومت میں عام ہوئی۔ مغربی تہذیب کو اصلاحات کے عنوان سے رواج دیا جس کے سبب اخلاقی پستی ایران کے معاشرے میں جڑ پکڑ گئی، حقوق انسانی کی پامالی شاہ کی عام روش بن گئی۔ ایران جو تیل کی دولت سے مالا مال تھا اس کی قومی دولت شاہی خاندان کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی تھی۔ مغربی تہذیب کے فروغ کی جب دانستہ کوششیں شاہ کی مختلف پالیسیز کے تحت عام ہوئی تو ایرانی معاشرے میں اپنی تہذیب کو بھلا کر اسلامی احکام کی خلاف ورزی ایک عام بات ہوگئی تھی۔ مذہبی اجتماعات پر ایران کی خفیہ پولیس ساواک خاص نظر رکھتی تھی۔ مذہبی آزادی دم توڑ رہی تھی۔ سامراجی طاقتوں کو کھلی چھوٹ دی جارہی تھی کہ وہ جسے چاہیں لوٹ کھسوٹ کریں۔ اس کے علاوہ درج ذیل تین بڑے اسباب تھے جو شاہ کے اقتدار کے خاتمہ کا سبب بنے۔

۱) سفید انقلاب: رضا شاہ نے ۱۹۶۳ میں اصلاحات کے نام سے بعض قوانین نافذ کئے جسے اس نے سفید انقلاب کا نام دیا۔ ان قوانین و منصوبے کی رو سے زمین کی حد ملکیت طئے ہوتی تھی۔ جنگلات قومی ملکیت میں لئے جاتے تھے، صنعتیں بھی تحویل میں دی جاتی تھیں، مزدوروں کو کارخانوں کی خالص آمدنی کا صرف بیس فی صد حصہ ملتا تھا ان تمام اصلاحات کو ریفرینڈم کے ذریعے نافذ کیا گیا۔ اور اسے سفید انقلاب کا نام دیا گیا۔ عوام کو احساس تھا کہ یہ تمام اصلاحات امریکہ کے مفاد کی خاطر نافذ کی جارہی تھی۔ ان اصلاحات سے زراعت اور اخلاق دونوں تباہ ہونے والے تھے۔ یہ انقلاب اس حد تک سفید تھا کہ اسے وہائٹ ہاؤس میں تیار کیا گیا تھا۔ امام خمینی نے اس کی شدید مخالفت کی عوام کا ان کو بھرپور تعاون ملا۔ بادشاہ نے ظلم کا بازار گرم کیا حراست ہوئی، رہائی عمل میں آئی، اور انقلاب کی جانب قدم بڑھتے چلے گئے۔

۲) امریکی شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے والا قانون ملک میں نافذ کیا گیا۔ جس کے تحت امریکی شہری جو ایران میں مقیم ہیں ان پر ایران میں مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ اس قانون کی سخت مخالفت ہوئی خمینی صاحب نے اس کے خلاف محاذ کھولا نتیجے میں انھیں جلاوطن کردیا گیا۔

۳) تیل کی دولت کو قومیانے اور مشروطیت کی تحریک بھی شاہ حکومت کے خاتمے میں اہم اسباب ہیں۔ ۱۵ جون ۱۹۶۳ کا واقعہ جس میں فوج کے ہاتھوں پندرہ ہزار ایرانیوں کو تہران میں شاہ مخالف مظاہروں کے سبب موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ واقعہ ایرانی انقلاب کا سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ عوام تاجر، سیاستداں، علماء سبھی تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر عمل پیرا ہوگئے اور احتجاج کا نہ رکنے والا سلسلہ دراز ہوگیا۔ عوام موت اور شاہ سے بے خوف ہوگئے اور ہر حال میں حصول آزادی ان کا ہدف تھا۔ چنانچہ ۸ ستمبر ۱۹۷۸ء میں پھر تہران میں ۵ ہزار عوام کو شاہی فوج نے شہید کردیا۔

اس کی اہم خصوصیات میں اس انقلاب کا دینی رجحان، عوامی شرکت، دینی قائدین کی رہنمائی، مقاصد کو اجاگر کرنے والے نعرے، عوام کا اسلامی رجحان اور سماج کے ہر طبقے خصوصا خواتین، بوڑھے، بچے اور طلباء کی شمولیت اہم ہے۔

طلوع انقلاب: عوام کے صبر کا پیمانہ چھلک چکا تھا۔ احتجاج کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔ یہ نوبت آگئی کہ رضا شاہ کا ملک میں رہنا خطرے سے خالی نہ رہا اور رضا شاہ نے ملک چھوڑنے کا ارادہ کرلیا۔ اس ارادے میں جہاں ملک کی ابتر صورتحال شامل تھی وہیں امریکی منصوبہ بھی کہ وہ کمزور سہاروں سے پیچھا چھڑ کر مضبوط خدام کو حکومت سونپنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ لیکن عوام کسی اور ہی انقلاب کا تانا بانا بن رہی تھی۔

بالآخر بادشاہ جنوری ۱۹۷۹ء میں ملک چھوڑ گیا مختار مسعود جو انقلاب ایران کے عینی شاہد مصنف تھے اپنی روزآنہ کی ڈائری جو قیام ایران اور دوران انقلاب انھوں نے لکھی تھی اس کے ایک صفحے کو جوان کی کتاب ''لوح ایام'' میں شامل ہے اس طرح رقمطراز ہیں۔

''۔۔۔ چارسو اندھیرا ہے۔ اندھیرا گھپ اور گہرا ہے۔ اگر روشنی کی کرن کہیں سے پھوٹ رہی تو وہ ایک اخبار ہے۔ آج شام شائع ہوا ہے ایک طرف بالکل خالی ہے۔ دوسری طرف آدھے صفحے پر سرخی لکھی ہوئی ہے باقی صفحے پر آٹھ دس سطر کی عبارت ہے۔ سرخی صرف دو لفظ پر مشتمل ہے ''شاہ رفت''۔ نصف صدی کی پہلوی سلطنت کا قصہ دو لفظ میں تمام ہوگیا۔ شاہ کے ملک بدر ہونے کی خبر جب پیرس میں امام خمینی کو ملی تو ان کا ردعمل بھی صرف دو لفظ پر مشتمل تھا ''اللہ اکبر''۔

خمینی صاحب جو تقریبا ۱۴ سال تین ماہ تک عراق، پیرس اور مصر میں جلاوطن کی زندگی گزار چکے تھے اور ملک سے باہر رہ کر اس پورے انقلاب کی قیادت کر رہے تھے بالآخر یکم فروری ۱۹۷۹ء کو ایران واپس آئے۔ اپنے محبوب مذہبی رہنماء اور انقلابی قائد کے استقبال کے لئے ایک کروڑ دس لاکھ افراد دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے سڑکوں گلیوں اور چوراہوں پر جمع تھے۔ تاریخ میں اس سے پہلے اتنا بڑا استقبال کبھی نہیں ہوا۔

شاہ کی رخصتی کے بعد ایرانی عوام جو نظام حکومت چاہتی تھی وہ اسلامی نظام حکومت تھا۔ حالانکہ ایران میں نیشنلزم اور سوشلزم کے حامیوں کی بڑی تعداد تھی اور عوامی احتجاج میں سوشلسٹ طبقہ بھی پیش پیش تھا۔ امریکہ یہاں بھی اپنی کٹھ پتلی جمہوریت کے خواب اس مرحلے میں پورا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عوامی ریفرینڈم کے ذریعے ۹۸ فی صد عوام نے اسلامی جمہوریہ کے حق میں رائے دی اور ایران کا انقلاب اسلامی انقلاب قرار پایا۔

انقلاب اسلامی ایران دیگر انقلابات کے مقابلے میں بعض امتیازی خصوصیات کا

حامل مانا جاتا ہے۔اس کی اہم خصوصیات میں اس انقلاب کا دینی رجحان ،عوامی شرکت، دینی قائدین کی رہنمائی ،مقاصد کو اجاگر کرنے والے نعرے،عوام کا اسلامی رجحان اور سماج کے ہر طبقے خصوصا خواتین ، بوڑھے، بچے اور طلباء کی شمولیت اہم ہے۔

انقلاب ایران کے عوامل پر نظر ڈالیں تو تین پہلو بہت نمایاں ہیں۔

۱)عوام

۲) قائد

۳) آئیڈیالوجی

۱)عوام: ایرن کے اسلامی انقلاب کے اکثر تجزیہ نگار اس بات پر حیرت کرتے ہیں کہ اس انقلاب میں تمام لوگوں نے کیسے اچانک پوری ہم آہنگی اور اتحاد کے ساتھ حصہ لے کر انقلاب برپا کیا اور ایک آواز میں بنیادی تبدیلی یعنی شاہ کی حکومت کے زوال اور اسلامی حکومت کی برقراری کا مطالبہ کیا اس کی بنیادی وجہ علماء کی حیثیت تھی۔علماء سرکاری وظیفہ خوار نہ تھے اور سماج کے غریب طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔انقلاب کے مراکز مساجد کو بنایا گیا تھا۔عام لوگوں میں اور علماء میں مضبوط رابطہ بھی ایک پہلو تھا۔

۲) قائد: ایرانی معاشرے میں قائد کی حیثیت ایک روحانی پیشوا کی ہوتی ہے۔آیت اللہ اور روح اللہ جیسے تصورات نے قائد پر جانثاری کا جذبہ پیدا کرنے کا کام کیا۔انقلاب کے بہت سے نعروں میں ''رہبر ما خمینی است،نہضت ما خمینی است''،حزب فقط حزب اللہ''، رہبر فقط روح اللہ اور یا مرگ یا خمینی جیسے نعرے آیت اللہ خمینی کی انقلاب ایران میں مرکزیت اور عوامی مقبولیت کا واضح اظہار ہے۔خمینی ایک سیاسی اور مذہبی رہنماء کی حیثیت سے اس وقت فوری طور پرا بھرے جب انھوں نے ریاستی اور شہری انجمنوں کے قانون کے خلاف احتجاج کیا جس کے نتیجے میں ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور اسی سلسلے میں ایرانی تاریخ میں ۱۵ جون والا واقعہ پیش آیا جس میں پندرہ ہزار لوگوں کو فوج نے شہید کر دیا تھا ۔خمینی صاحب نے ایرانی معاشرے میں دین اور سیاست کے جدا جدا ہونے کے نظریہ کی تردید کی۔تقلید کے عقیدے کو جس کے تحت مطلق العنان حکمرانوں سے اختلاف کے بجائے خاموشی کی تعلیم دی جاتی تھی اسے حرام قرار دیا۔شیعہ عقیدے کے مطابق امام مہدی کے ظہور کے لئے حالات کا ظلم سے بھر جانا ضروری تصور کیا جاتا رہا۔اس لئے عوام کو بے چینی کے بجائے انتظار کی لذت میں اضافہ ہوتا تھا کہ اب ظہور ہوگا اور عام مظالم چھوٹ جائیں گے۔خمینی صاحب نے اس عقیدے کا رد کرتے ہوئے عوام کو حالات کی تبدیلی کے لئے کام پر آمادہ کیا۔ایرانی معاشرے میں واقعہ کربلا ہمیشہ باعث تحریک رہا ہے خمینی نے اس کی پشت سے روح جہاد اور جذبہ شہادت عوام میں بھر دیا۔قائد انقلاب کا نعرہ تھا کہ ''ما ہر چہ داریم از تماشور است''۔

ایرانی انقلاب کے اس رہبر نے انقلاب کا نظریہ پیش کرنے سے لے کر انقلاب کے کمانڈر اور بالآخر حکومت کے سربراہ تک مختلف کردار نبھائے۔

۳) آئیڈیالوجی: ایران میں اوائل ہی سے تین مختلف نظریہ موجود رہے ہیں نیشنلزم، سوشلزم اور اسلام۔ان نظریات کے مبلغین اپنے پسندیدہ معاشرے کا خاکہ پیش کر کے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ پیروکاروں کو جذب کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔لیکن پہلے دو نظریات کو رد کر کے ایرانی عوام نے اسلامی نظریہ کو اپنایا یہ اس انقلاب کی اہم ترین خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔

عالمی اثرات: آسٹریلیائی دانشور محمد حسین لکھتے ہیں۔''اگر عصر حاضر میں دینی تشخص کے احیاء کے لئے کوئی تاریخ مقرر کی جائے تو وہ ۱۹۷۹ء کا سال ہوگا کہ یعنی جس سال ایران میں انقلاب اسلامی کامیاب ہوا جس نے تمام دنیا میں اسلامی افکار کا احیاء کیا۔''

آج جہاں جہاں جمہوریت، آزادی،حریت،مساوات،نسلی برتری کی تحریکیں چل رہی ہیں ان سب کے لئے ایرانی انقلاب ایک رہنماء کی حیثیت رکھتا ہے۔انقلاب ایران کی سب سے بڑی کامیابی اور عالمی اثر یہ ہے کہ اس نے دنیا بھر کے انسانوں کو امریکہ کی ذہنی غلامی سے نجات دلادی،گزشتہ سالوں میں تیونس،اور مصر میں اسی انقلاب کا اثر دیکھا گیا۔

انقلاب ایران کے عالمی اثرات کا ایک قابل ذکر پہلو مسجد اقصی پر اسرائیل اور یہودیوں کے قبضے کے خلاف رمضان میں جمعۃ الوداع کے موقع پر عالمی سطح پر یوم القدس منانے کا جاری وساری سلسلہ ہے۔جس کی ابتداء خمینی صاحب نے انقلاب کے فوری بعد کی تھی۔یہ سلسلہ آج بھی برصغیر کے ممالک کے علاوہ ملائیشیاء،فلسطین،جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں جاری ہے۔دنیا بھر کی اسلامی تحریکات جو اسلام کے نظریہ سیاسی کی حقانیت اور عملیت پر یقین رکھتے ہیں اس کے لئے عملی اظہار وہ انقلاب ایران کو سمجھتے ہیں۔جس نے ساری دنیا کو یہ باور کرا دیا کہ اسلام ہی سیاست کے نظم و نسق کو چلانے کا ہنر سکھا تا ہے۔

انقلاب ایران نے سامراجی طاقتوں سے مزاحمت کا حوصلہ پیدا کیا۔یہی وجہ رہی کہ امریکی سامراج نے دنیا بھر میں انقلاب ایران کا دنیا بھر میں پھیلاؤ روکنے کے لئے اسے اسلامی انقلاب کے بجائے شیعہ انقلاب کا نام دے کر اس کا دائرہ کار محدود کرنے کی کوشش کی۔ایران ، ایراق جنگ کا ڈرامہ رچا گیا۔عالم عرب میں بھی قدیم شیعہ سنی مباحث کو زندہ کیا گیا۔خمینی صاحب کی تحریروں کے حوالے چھانٹ کر نکالے گئے۔انقلاب کے نظریے کو مسلم دنیا میں شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ان سب کے باوجود انقلاب ایران کی انفرادیت قائم رہی۔مولانا مودودی ہمیشہ انقلاب ایران کے اسلامی انقلاب ہونے کے قائل رہے ہیں۔انقلاب کے فوری بعد آپ اسلامی مفکرین کے وفد کے ہمراہ اسلامی انقلاب کی مبارکباد دینے ایران بھی پہنچے۔مولانا انقلاب ایران کے ایک سال بعد ہی انتقال کر گئے۔ایک تعزیتی نشست میں مولانا کے ایک فرزند نے بتایا تھا کہ مولانا نے ایک دفعہ فرمایا تھا'' کہ میرا دل انقلاب ایران کے ساتھ دھڑکتا ہے''۔

باوجود اس کے کہ ایران میں شیعہ مکتب فکر کا غلبہ رہا۔اہل تشیع اپنے بعض عقائد میں بہت شدید ہیں،لیکن انقلاب کے لئے درکار جذبہ انھیں اسلام کے حرکی مزاج ہی سے ملا ہے۔خالص شیعہ نظریات کے تحت انقلاب ممکنات میں سے نہیں تھا۔

انقلاب ایران کے وقوع پذیر ہونے کے آثار نمایاں ہو جانے پر بین الاقوامی مبصرین و تجزیہ نگار یہ قیاس کر رہے تھے کہ مذہبی بنیادوں پر آنے والا یہ انقلاب دیر پا ثابت نہیں ہوگا لیکن آج ۳۸ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود انقلاب کی روح تر و تازہ ہے۔آج ایران اپنی طاقت بن چکا ہے حالانکہ ایران ایراق جنگ،معاشی ناکہ بندی اور مسلسل نرغے میں رہنے کے بعد اس کی توقع کم تھی کہ ایران استقامت دکھا پائے گا لیکن یہ انقلاب ترقی کی منزلوں کو طئے کر رہا ہے۔اور عملاً دنیا کے مظلوموں خصوصا فلسطینیوں اور دیگر مظلوم قوموں کہ حمایت میں عالمی سامراجی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہے۔یہی وجہ ہے کہ وقت کی عالمی طاقتیں ایران سے اس کی اپنی شرائط پر مذاکرات کے لئے آمادہ ہیں ۔جدید ایران کی تیز رفتار ترقی کے تجزیہ کا یہ مضمون متحمل نہیں ہے۔

انقلاب

ایس آئی او آف انڈیا کے پہلے جنرل سیکریٹری، محترم تجمل حسین کے قلم سے تصور انقلاب کی آبیاری کرنے والی ایک شاہکار نظم

وقت کے دریچوں سے
روشنی سی آتی ہے
برف کی چٹانوں پر
صبح جھلملاتی ہے

شام مسکراتی ہے
رات جگمگاتی ہے

رات کی تجلی سے
صبح کے تبسم تک
صبح کے تبسم سے
اشکبارِ شبنم تک

حسن کی حیاؤں سے
عشق کے تلاطم تک
طائرانِ بسمل کے
سرمدی ترنم تک

داستان محبت کی
مرحلہ عزیمت کا
یہ پیام دیتا ہے

صرف آرزؤں سے
ظلم رک نہیں سکتا
بے عصا کلیمی سے
جبر جھک نہیں سکتا

یہ تمہاری محفل میں۔۔۔!

انقلاب کے نغمے
انقلاب کے قصے
انقلاب کی باتیں
انقلاب کے نعرے

ٹھیک ہے کہ نعروں سے
خون گرم ہوتا ہے
آرزو مچلتی ہے

جیسے ٹھہرے پانی میں
کنکری کے گرنے سے
دائرے ابھرتے ہیں

اے نبیؐ کے پروانوں
راہ حق کے دیوانوں

صرف آرزؤں سے
کیا کہیں زمانے میں
انقلاب آتے ہیں۔۔۔؟

انقلاب کے داعی۔۔۔!
زندگی لٹاتے ہیں
اپنا سر کٹاتے ہیں
تب فلاح پاتے ہیں

خون جب ٹپکتا ہے
انقلاب آتے ہیں
بیج دفن ہوتا ہے
کھیت لہلہاتے ہیں

تب کہیں زمانے میں
انقلاب آتے ہیں

جذبۂ شہادت ہو
بازؤں میں قوت ہو
کشتیاں جلانے کا
حوصلہ ہو ہمت ہو
اور ہمارا قائد بھی
پیکرِ عزیمت ہو

تب کہیں زمانے میں
انقلاب آتے ہیں

اسلامی انقلاب

مفہوم، خدوخال، امکانات

ڈاکٹر محمد رفعت

آج کی دنیا جن انقلابات سے واقف ہے وہ حیاتِ انسانی کے اجتماعی اور سیاسی پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اصلاً اُن کو فردِ انسانی کے اندرون سے اور اس کی شخصیت سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ ایسے انقلابات کے داعیوں کے درمیان فرد کی زندگی اگر زیرِ بحث آتی بھی ہے تو عموماً محض اس بنا پر کہ فرد ہی انقلابی تحریک کا کارکن ہوتا ہے۔ فرد کے متعلق غور کرنے کا محرک، آج کی اجتماعی فضا میں یہ داعیہ ہوتا ہے کہ فرد کو کسی تحریک کا اچھا کارکن کس طرح بنایا جائے۔ اس رجحان کی بنا پر انسانوں کی حیثیت تقریباً وہی قرار پاتی ہے جو مادی وسائل کی ہوتی ہے۔ جس طرح تحریک چلانے اور تبدیلی لانے کے لیے سرمایہ اور مال درکار ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ''انسانی وسائل'' کی اصطلاح اکثر استعمال کی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی میں آج کی اجتماعی تحریکیں، جس طرح روپیہ پیسہ حاصل کرنے پر توجہ کرتی ہیں تاکہ اپنے اخراجات کو پورا کرسکیں اسی طرح انسانوں کو بھی اپنی پارٹی کا اچھا کارکن (ورکر) بنانے کی کوشش کرتی ہیں جو پارٹی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ کارکن کے حسنِ کردار کے بجائے اس کی اچھی کارکردگی مطلوب ہوتی ہے۔ کارکنوں کی تربیت کے لیے کوششیں بھی اسی رخ پر کی جاتی ہیں۔ پارٹی ایک مشین کی طرح کام کرنا چاہتی ہے اور اُسے انسانی کارکنوں کی شکل میں اچھے کل پرزے درکار ہوتے ہیں۔

اسلامی انقلاب، فردِ انسانی اور سماج:

آج کی اجتماعی تحریکوں کے برعکس، اسلام کی دعوت، فرد اور سماج دونوں کے لیے ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان، وسیلہ نہیں ہے۔ اسلام فرد کو محض معاشرے کی اکائی نہیں سمجھتا بلکہ ایک ایک شخص کی منفرد شخصیت کو تسلیم کرتا ہے۔ دینی نظام میں اس شخصیت کی تکمیل، ارتقاء اور تزکیہ، بذاتِ خود مطلوب ہے۔ اسی لیے نبیؐ کے بنیادی کاموں میں تزکیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے: **هُوَ الَّذِىٓ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ٥ (الجمعه: ۲)** ''وہی اللہ ہے جس نے اُمیوں میں ایک رسول، اُنھی میں سے مبعوث کیا، جو اُن کو اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

نبیؐ کے کلیدی فرائض میں تزکیہ کے تذکرے کے علاوہ، قرآن مجید ہر صاحبِ ایمان کو یاددلاتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی تکمیل کی طرف متوجہ رہے تاکہ اُسے کامیابی حاصل ہوسکے۔ مثلاً ارشاد ہوا: **قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ٥ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ٥ (اعلیٰ، ۱۵-۱۴)** ''بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز ادا کی۔''

وَ نَفْسٍ وَ مَا سَوَّاهَا o فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوَاهَا o قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا o وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا o (شمس: ۱۰-۷) ''قسم ہے نفسِ انسانی کی اور جیسا کہ اُس کو درست کیا پھر اُسے برائی اور بھلائی کی سمجھ دی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور بے شک وہ نامراد ہوا جس نے نفس کو دبا دیا۔''

فرد کے تزکیہ پر توجہ کے ساتھ اسلام کی دعوت، انسانی سماج کی مستقل اہمیت کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ مطلوب یہ ہے کہ سارا سماج، کتاب ہدایت سے وابستگی اختیار کرے۔ ارشاد ہوا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَ لاَ تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ o (آلِ عمران: ۱۰۳) ''اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔ اور یاد کرو اللہ کے احسان کو کہ تم آپس میں دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم محبت ڈال دی اور تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

معاشرے کی اہمیت کی بنا پر اللہ چاہتا ہے کہ انسانی معاشرے میں عدل قائم ہو: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ أَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَ رُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ o (الحدید: ۲۵) ''ہم نے اپنے رسول کو نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ، انصاف (قسط) پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اُتارا۔ اُس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔ (یہ سب اس لیے ہوا) کہ اللہ دیکھے کہ کون بغیر دیکھے، اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوی اور زبردست ہے۔''

سماج کی اہمیت یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے سماج کے اندر بگاڑ کے پھیلنے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ اس نے بے حیائی پھیلانے والوں کو عذابِ آخرت کے ساتھ عذابِ دنیا سے بھی ڈرایا ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ أَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ o (نور: ۱۹) ''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے درمیان، بے حیائی پھیلائیں، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اسلام، انسانی شخصیت کی اس طرز پر تربیت کرتا ہے کہ ہر ایمان لانے والا، معاشرے کی اصلاح کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح فرد کے شعور کی بیداری اور اُس کی فرض شناسی، سماج کو درست رکھنے میں معاون بنتی ہے۔ دوسری جانب، اسلام — پورے سماج کو اور خصوصاً اس کے اہم اداروں کو توجہ دلاتا ہے کہ اجتماعی ماحول کی درستگی کے ذریعے، افراد کی تکمیلِ ذات کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کریں تاکہ ہر فرد، اپنے خالق کی بندگی، آسانی سے کر سکے۔ فرد اور معاشرے کے مابین یہ تعاون، اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اسلام کے برعکس، آج کے باطل نظریات، فرد اور سماج میں تصادم کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اسلام کے مذکورہ بالا مزاج کی ترجمانی ان آیات میں کی گئی ہے: اَلَّذِيْنَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ وَ أَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ o (حج: ۴۱) ''یہ اہلِ ایمان، وہ لوگ ہیں جن کو ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔ اور ہر معاملے کا انجام کار، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئاً وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ o (نور: ۵۵) ''اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں، اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے کہ اللہ انھیں، زمین میں اقتدار بخشے گا جس طرح اُن سے پہلے کے اہلِ ایمان کو اقتدار دے چکا ہے۔ اور وہ اُن کے لیے، اُن کے دین کو جمادے گا، جس کو اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ اور وہ خوف کے بعد اُن کو امن عطا کرے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کا رویہ اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔''

اجتماعی اداروں میں حکومت کا ادارہ، نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ انسانی زندگی پر اُس کے اثرات ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ اس اہمیت کی بنا پر مندرجہ بالا آیات میں اقتدار ملنے کے بعد، اہلِ ایمان کے مطلوبہ طرزِ عمل کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر دور کے مسلم معاشرہ کو صحیح رہنمائی مل سکے۔

اسلامی انقلاب کا مفہوم اور نوعیت:

اسلامی انقلاب کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے میں اللہ کی بندگی ہونے لگے، حق کی روشنی سے حیاتِ انسانی کا ہر دائرہ منور ہو جائے، ہدایتِ الٰہی پر عمل کے راستے میں حائل رکاوٹیں دور ہو جائیں اور باطل ادیان پر حق غالب ہو جائے۔

اس انقلاب کی جہتیں (Dimensions) متعدد ہیں مثلاً فرد کی تکمیلِ ذات اور اُس کی شخصیت کا ارتقاء، مسلم معاشرے کی اصلاح، مسلمان سماج کے نظامِ اجتماعی کی تعمیر، عام انسانی معاشرے کی درستگی، باطل افکار کے اثرات کا خاتمہ، سیاسی نظاموں، اداروں اور حکومتوں کی اصلاح، مسلمان معاشرے کی آزادی اور منصفانہ بین الاقوامی قوانین کا نفاذ۔ یہ ساری جہتیں، اُن اہم اسلامی اصطلاحات کا تقاضا ہیں جن کے ذریعے قرآن مجید امتِ مسلمہ کی ذمہ داریوں کو بیان کرتا ہے یعنی دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، اعلاءِ کلمۃ اللہ، نصرتِ دین، شہادت علی الناس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامتِ دین، اقامتِ قسط، دعوت الی الخیر اور اظہارِ دین۔

اپنی تمام جہتوں میں اسلامی انقلاب کے ظہور کے لیے تین شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر ایسے افراد کی بڑی تعداد موجود ہو جن کا ایمان زندہ، شعوری اور پختہ ہو، جنہیں اللہ سے کیا ہوا عہدِ بندگی یاد ہو اور جو حسنِ عمل کا اہتمام کرتے ہوں۔ ایسے اصحابِ ایمان کی موجودگی کے بغیر، اسلامی انقلاب کا خواب دیکھنا، خام خیالی ہے۔ مزید برآں اسلامی انقلاب کے ظاہر ہونے کے لیے ایک مزید شرط کی تکمیل بھی ضروری ہے کہ ایمان و عمل سے آراستہ، صالح افراد کو امت کے مشن کا واضح شعور حاصل ہو۔ وہ امت کے فرضِ منصبی کو جانتے ہوں، اس کے تقاضوں سے واقف ہوں اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے متحرک ہوں۔ امت کا مشن یا فرضِ منصبی، قرآنی الفاظ میں

درج ذیل ہے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَo (آلِ عمران: ۱۱۰) ''تم خیرِ اُمت ہو، تمہیں انسانوں (کی ہدایت و اصلاح) کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

ایمان و عمل اور منصبی شعور کے استحضار کے ساتھ اسلامی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کے لیے ایک تیسری شرط بھی درکار ہے۔ وہ یہ ہے کہ افرادِ امت کی تعلیم و تربیت کا وسیع اور اطمینان بخش انتظام کیا جائے۔ یہ اہتمام ایسا ہو کہ کوئی مسلمان، بنیادی علمِ دین سے محروم نہ رہے۔ ساتھ ہی اہلِ دانش کی ایک معقول تعداد، اُمت میں ایسی پائی جائے جو علم و تقویٰ کی صفات کے ساتھ دین میں گہری بصیرت بھی حاصل کرے تاکہ مسلمانوں کی رہنمائی بھی کر سکے اور عام انسانوں کی بھی۔

اس تیسری شرط کے سلسلے میں قرآنی آیات درج ذیل ہیں: لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍo (آلِ عمران: ۱۶۴) ''بلاشبہ اہلِ ایمان پر اللہ نے یہ بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان، خود انہی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا جو اُس کی آیات، انہیں سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَo (توبہ: ۱۲۲) ''اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہلِ ایمان، سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے کہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔''

اسلامی انقلاب کے لیے درکار شرائط کے اس تذکرے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انقلاب اسلامی کے طالبین کو موجودہ مسلمان معاشرہ کا جائزہ لے کر ایک وسیع مہم چلانی ہوگی تاکہ مسلمان سماج کو بیدار کیا جا سکے۔ اس مہم کے اہداف یہ ہوں گے:

(الف) ایمان کو زندہ اور شعوری ایمان بنانے کی ترغیب اور بیداری ایمان کی تدبیروں کی نشاندہی۔

اسلامی انقلاب کی متعدد جہتوں کے بیان کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُن میں لازماً کوئی ناگزیر زمانی ترتیب پائی جاتی ہے۔ فطری کیفیت یہ ہے کہ متنوع جہتوں میں پیش رفت ایک ساتھ ہوتی ہے۔ جس رفتار سے ایمان زندہ ہوتا ہے، شعور میں تابندگی آتی ہے اور دین کے تقاضے واضح ہوتے ہیں، اسی رفتار سے افراد، سماج اور اجتماعی اداروں میں اصلاح ہونے لگتی ہے۔ ایک گوشے میں پیش رفت، دوسرے دائروں میں صالح تغیر میں معاون بنتی ہے اور انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ ایک دانے کو بونے سے کس طرح سینکڑوں دانوں پر مشتمل فصل حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ اس خوش گوار نتیجے کے ظہور کے لیے اخلاص، صبر، قربانی اور پیہم کوشش درکار ہے۔

(ب) اُمت کے فرضِ منصبی کی تفہیم اور یاددہانی۔

(ج) مسلمانوں کی تعلیم اور تزکیہ کے لیے سعی۔ اس مقصد کے لیے پہلے سے مصروفِ عمل اجتماعی اداروں اور کاوشوں کو قرآن و سنت کا پابند بنانا۔

امت میں دین کے احیاء کی اس وسیع مہم کے بغیر اسلامی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ دین کے ہمہ گیر تقاضوں کا حق ادا کرنا کسی ایک ادارے یا تنظیم کے بس کی بات نہیں۔ دین کی اقامت کے لیے پوری امت کے اندر دینی روح پھونکنا ضروری ہے۔ چنانچہ جو مخلص احباب، اسلامی انقلاب کی آرزو لے کر سرگرمِ عمل ہیں، انہیں اُمت پر توجہ دینی ہوگی۔

نہیں اقبالؔ ناامید اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اسلامی انقلاب کی متعدد جہتوں کے بیان کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُن میں لازماً کوئی ناگزیر زمانی ترتیب پائی جاتی ہے۔ فطری کیفیت یہ ہے کہ متنوع جہتوں میں پیش رفت ایک ساتھ ہوتی ہے۔ جس رفتار سے ایمان زندہ ہوتا ہے، شعور میں تابندگی آتی ہے اور دین کے تقاضے واضح ہوتے ہیں، اسی رفتار سے افراد، سماج اور اجتماعی اداروں میں اصلاح ہونے لگتی ہے۔ ایک گوشے میں پیش رفت، دوسرے دائروں میں صالح تغیر میں معاون بنتی ہے اور انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ ایک دانے کو بونے سے کس طرح سینکڑوں دانوں پر مشتمل فصل حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ اس خوش گوار نتیجے کے ظہور کے لیے اخلاص، صبر، قربانی اور پیہم کوشش درکار ہے۔

اسلامی انقلاب کی ہمہ گیر نوعیت کے سمجھ لینے سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ صالح انقلاب، ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ ایمان سے محروم کوئی انسان، ایمان لے آئے تو اُس کی زندگی کی حد تک یہ ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ کسی دل میں خوابیدہ ایمان جاگ جائے اور عمل کی توفیق مل جائے تو اس بیداری کو انقلاب کہنا مناسب ہے۔ مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام، درست خطوط پر استوار ہو جائے تو یہ انقلابی قدم ہوگا۔ کوئی مسجد، بستی کے باشندوں کی اصلاح و تربیت کا مرکز بن جائے اور امامِ مسجد لوگوں کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے لگے تو یہ انقلابی تغیر ہے۔ ملک میں رائج ظالمانہ قوانین منسوخ ہو جائیں اور اُن کی جگہ منصفانہ قانون نافذ کیا جائے تو یہ انقلابی اقدام ہے۔ سماج سے کوئی منکر مٹ جائے اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے تو یہ انقلابی پیش رفت ہے۔ اس وسیع تصور کے ساتھ جب داعیانِ انقلاب کوشش کرتے ہیں تو سعی و جہد کے یہ چھوٹے چھوٹے دھارے مل کر ایک سیلابِ رواں بن جاتے ہیں، جس میں

باطل کے خس وخاشاک کو بہالے جانے کی بے نظیر صلاحیت ہوتی ہے۔ صالح انقلاب کی تکمیل بہرحال اُس وقت ہوتی ہے جب اللہ کی تائید ونصرت کے نتیجے میں اہلِ حق کو زمین میں اقتدار حاصل ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس تکمیلی مرحلے کا ذکر کیا ہے: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ٥ (سورہ نصر) "جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہوجائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ، فوج درفوج، اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو۔ اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا أَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ فَآمَنَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ ٥ (صف: ۱۴) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں کو خطاب کرکے کہا تھا: "کون ہے اللہ کی طرف (بلانے میں) میرا مددگار؟" اور حواریوں نے جواب دیا تھا: "ہم ہیں اللہ کے مددگار۔" اُس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی اُن کی دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی (ایمان لانے والے) غالب ہوکر رہے۔"

صالح انقلاب کے امکانات، تاریخ کی روشنی میں:

انسانی زندگی میں حق کا غلبہ کوئی نادر واقعہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں متعدد بار، حق غالب ہوا ہے۔ جہاں تک تاریخ کے آغاز کا تعلق ہے، انسانوں کے معاشرے کی ابتدا، حق کی روشنی میں ہوئی۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْياً بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (بقرہ: ۲۱۳) "ابتدا میں سارے انسان ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے، جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوگئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔ (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا۔ نہیں بلکہ) اختلاف اُن لوگوں نے کیا، جنہیں حق کا علم دیا جاچکا تھا۔ انھوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد، محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے، انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کا راستہ دکھادیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے، راہِ راست دکھادیتا ہے۔"

دوسری مثال نوح علیہ السلام سے متعلق ہے جو جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں۔ اُن کی قوم کی بڑی تعداد ایمان نہیں لائی چنانچہ عذاب الٰہی سے ہلاک کردی گئی۔ تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ نے اُن ایمان والوں کو زمین کا وارث بنایا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ٥ (یونس: ۷۳) "انھوں نے (یعنی نوح کی قوم کے لوگوں نے) نوح کو جھٹلایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُسے اور اُن لوگوں کو جو (ایمان لے آئے تھے اور) اُس کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور انہی کو زمین میں جانشین بنایا۔ اور ان سب کو غرق کردیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ پس دیکھ لو جن کو خبردار کیا گیا تھا، ان کا کیا انجام ہوا۔"

مندرجہ بالا آیت بتاتی ہے کہ نوح علیہ السلام کے پیرو، زمین کے جانشین بنائے گئے۔ کتنے عرصے تک اُن کو اللہ نے کام کرنے کا موقع دیا، قرآن اس کی صراحت نہیں کرتا۔ البتہ اتنی بات واضح ہے کہ کچھ عرصہ ضرور انھوں نے نوح علیہ السلام کی براہِ راست رہنمائی میں گزارا، جبکہ زمین کے اس خطے سے خدا کے باغی مکمل طور پر مٹائے جاچکے تھے۔ ظاہر ہے، نوح علیہ السلام کی زندگی کا یہ آخری دور (خواہ طویل رہا ہو یا مختصر) اُس خطہ زمین پر حق کے غلبے کا دور تھا۔

اسلامی انقلاب کے امکانات کے دائرے میں وسعت لانے کے لیے اہلِ ایمان کو جو طریق کار اختیار کرنا ہوتا ہے، اُس کے بنیادی عناصر دو ہیں، دعوت اور جہاد۔

ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ اُن کی قوم عاد کے زیادہ تر افراد نے دعوتِ حق قبول کرنے سے انکار کیا چنانچہ اللہ کے عذاب نے اُن کو ہلاک کردیا۔ رہے تھوڑے سے لوگ جو ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے تو اللہ نے اُن کو زمین میں آباد کیا۔ اُن کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یہ بات عرب کے تاریخی مسلّمات میں سے ہے کہ عاد کا صرف وہ حصہ باقی رہا جو حضرت ہود کا پیرو تھا۔ حصن غراب کا کتبہ...... انہی کی یادگاروں میں سے ہے۔ اس کتبہ میں...... ماہرینِ آثار نے جو عبارت پڑھی ہے اُس کے چند جملے یہ ہیں:

"ہم نے ایک طویل زمانہ اس قلعے میں اس شان سے گزارا ہے کہ ہماری زندگی، تنگی و بدحالی سے دور تھی۔ ہماری نہریں، دریا کے پانی سے لبریز رہتی تھیں...... اور ہمارے حکمراں، ایسے بادشاہ تھے جو برے خیالات سے پاک اور اہلِ شر وفساد پر سخت تھے۔ وہ ہم پر ہود کی شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور عمدہ فیصلے ایک کتاب میں درج کر لیے جاتے تھے۔ اور ہم معجزات اور موت کے بعد

دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین رکھتے تھے۔‘‘

یہ عبارت آج بھی قرآن کے اس بیان کی تصدیق کررہی ہے کہ عاد کی قدیم عظمت و شوکت اور خوش حالی کے وارث آخر کار وہی لوگ ہوئے، جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔‘‘ (تفہیم القرآن، سورہ اعراف، حاشیہ ۵۶)

ایک اور مثال بنی اسرائیل کی ہے۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے مردِ صالح، طالوت کی قیادت میں جہاد کیا تھا۔ اس لشکر میں داوٗد علیہ السلام شامل تھے جو ابھی نبی مقرر نہ ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے اُن کے کارنامے کا تذکرہ کیا ہے: فَهَزَمُوا هُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ O (بقرہ: ۲۵۱) ’’آخر کار اللہ کے اذن سے انھوں نے (یعنی طالوت کے ساتھیوں نے) کافروں کو مار بھگایا اور داوٗد نے (کافروں کے سردار) جالوت کو قتل کر دیا۔ اور اللہ نے اُسے (یعنی داوٗد کو) سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اُسے علم دیا۔ اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح، دفعِ فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے۔)‘‘

داوٗد علیہ السلام کو حکومت ملی تو اللہ نے انہیں حق کے ساتھ حکومت کرنے کی ہدایت کی: يَا دَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ O (ص: ۲۶) ’’(ہم نے داوٗد سے کہا) اے داوٗد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان، حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں، یقیناً اُن کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔‘‘

داوٗد اور سلیمان علیہما السلام، اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے۔ ظاہر ہے اُن کی حکومت کا دور، حق کے غلبے کا دور تھا۔

غلبہ حق کی ایک اور مثال یہ ہے کہ قرآن مجید نے مردِ صالح، ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے۔ اس کا اقتدار وسیع تھا: إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا O (کہف: ۸۴) ’’ہم نے اُسے (یعنی ذوالقرنین کو) زمین میں اقتدار عطا کر رکھا تھا اور اسے ہر قسم کے اسباب و وسائل بخشے تھے۔‘‘

اُس کی صالحیت کا یہ عالم تھا کہ بہت مضبوط دیوار بنانے کا بعد بھی، وہ اس حقیقت کا ادراک رکھتا تھا کہ جب اللہ چاہے گا، یہ دیوار گر جائے گی: قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا O (کہف: ۹۸) ’’ذوالقرنین نے کہا کہ یہ (دیوار) میرے رب کی رحمت ہے، مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس کو پیوندِ خاک کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔‘‘

ظاہر ہے کہ ذوالقرنین کی حکومت کا دور، حق کے غلبے کا دور تھا۔

سورہ صف کی آخری آیت کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جس کے مطابق، عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص پیرووں نے اپنے مخالفین پر فتح پائی۔ اس کے بعد ان اہلِ ایمان کو حکومت کا کچھ موقع ملا ہوگا۔ یہ واقعہ بھی غلبہ حق کی مثال ہے۔

دورِ حاضر میں غلبہ حق کے امکانات:

عالمِ نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں
میری نواؤں میں ہے اُس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

صالح تبدیلی امکانات کی دنیا جس طرح کل وسیع تھی، آج بھی وسیع ہے۔ کل حق، زمین پر غالب ہوسکتا تھا تو آج بھی غالب ہوسکتا ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ پہلے بھی زمین پر حق و صداقت کی فتح کے لیے کوشش اور قربانی درکار تھی، اور اسی طرح آج بھی درکار ہے۔

اسلامی انقلاب کے امکانات کے دائرے میں وسعت لانے کے لیے اہلِ ایمان کو جو طریق کار اختیار کرنا ہوتا ہے، اُس کے بنیادی عناصر دو ہیں، دعوت اور جہاد۔ دعوت سے دل متاثر ہوتے ہیں، ذہن مفتوح ہوتے ہیں اور فطرتِ انسانی، خوابِ غفلت سے بیدار ہوتی ہے۔ پھر جن کے اندر حق کی سچی طلب ہوتی ہے اور انسانوں کے خوف سے جن کے دل آزاد ہوتے ہیں، وہ حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ حق کے دامن میں آنے والے ہر شخص کی آمد کے ساتھ، دعوتِ حق کے فروغ کے اور حق کی فتح کے امکانات بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک کی جرأت دوسروں کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہے اور ہر خدا پرست، ناواقف انسانوں تک پیغامِ حق کی ترسیل کے نئے امکانات اپنے ساتھ لاتا ہے۔

یہی معاملہ جہاد کا ہے۔ اصلاحی جہاد اس لیے کیا جاتا ہے کہ حق کے راستے کی رکاوٹیں دور ہوں۔ حق کو عام کرنے، اُسے قبول کرنے اور دینِ حق پر عمل کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ بھی حائل ہو، اس کو دور کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ یہ کوشش اسلامی حدود و آداب کے دائرے میں رہ کر ہی کی جاسکتی ہے۔ اس سرگرمی کو اسلام نے جہاد کا نام دیا ہے۔ جہاد کے لیے اسلام کی عائد کردہ بنیادی شرطیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ معاہدوں کی پابندی کی جائے (یعنی اُن معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی جو مسلمان افراد، گروہوں یا حکومتوں نے غیر مسلموں یا اُن کی حکومتوں سے کیے ہوں۔) جہاد کے درست ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ فساد فی الارض سے بچا جائے۔ اس ہدایت کی تفصیلات حدیث و فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

دعوت کی طرح، اللہ کی راہ میں جہاد کے ذریعے بھی غلبہ حق کے امکانات وسیع ہوتے ہیں۔ دعوت و جہاد کے طریقِ کار کو اپناتے ہوئے، اہلِ ایمان کو، دین کے قیام کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ غلبہ حق کی منزل آجائے تو یہ اللہ کا فضل ہے۔ اگر کسی حق پرست کی زندگی میں یہ منزل نہ بھی آئے تب بھی، پیش قدمی اور جدوجہد، مومن کی تکمیل ذات کا ذریعہ ہے۔

ہر انقلاب کی تاریخ یہ بتاتی ہے
وہ منزلوں پہ نہ پایا جو رہ گزر سے ملا

مطالعاتی مقابلہ

سیشن **Study Compettition 2017-18**

درج ذیل کتابوں کا سنجیدگی و گہرائی سے مطالعہ کیجئے۔
کل پچاس سوالوں کے (ہر کتاب سے پانچ۔سات سوال)
جواب لکھئے اور انعام حاصل کیجئے۔

اول انعام=/Rs15,000 دوم انعام=/Rs10,000
سوئم انعام=/Rs7,500

ان کے علاوہ پانچ لوگوں کو تین، تین ہزار روپے نقد دیئے جائیں گے۔

کتابوں کے نام:۔

۱۔ اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۲۔ تحریک اسلامی ہند	مولانا صدرالدین اصلاحیؒ
۳۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ اول تا پنجم	شعبۂ تنظیم
۴۔ روداد اجتماع رام پور 1951	"
۵۔ روداد مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند، حصہ اول ودوم	"
۶۔ جماعت اسلامی ہند کی قراردادیں، اول ودوم	"
۷۔ خطبات امراء جماعت اسلامی ہند	ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی
۸۔ اسلام آپ سے کیا چاہتا ہے	مولانا سید حامد علیؒ

(کتابوں کی مجموعی قیمت -/1000 روپئے ہے)

اس مقابلے میں تمام ہندوستانی طلباء وطالبات، لڑکے ولڑکیاں، مرد وخواتین حصہ لے سکتے ہیں، خواہ وہ ملک یا بیرون ملک کہیں بھی مقیم ہوں۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ تمام شرکاء کو حوصلہ افزائی کے انعامات کے علاوہ مارکس شیٹ وسرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے۔ رجسٹریشن کے بعد سوالات آپ کو ارسال کردیئے جائیں گے۔ رجسٹریشن کے لئے درخواست کے ساتھ اپنا بایوڈاٹا ارسال کیجئے۔ درخواست پہنچنے کی آخری تاریخ 28 فروری 2018 ہوگی۔ رزلٹ کا اعلان 31 مارچ 2018 کو کیا جائے گا۔ ادارے کا فیصلہ قطعی اور قابل قبول ہوگا۔

نوٹ:۔ اگر کوئی شخص مذکورہ کتابیں خریدنے سے قاصر ہے تو اپنی درخواست پر جماعت اسلامی ہند کے رکن، ایس آئی او یا جی آئی او کے ممبر یا کسی مستند عالم دین سے سفارشی تحریر لکھوا کر ہمیں ارسال کریں۔ انشاءاللہ کتابیں فراہم کرائی جائیں گی۔

کتابیں ملنے کا پتہ:

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

منجانب

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ریسرچ سینٹر

کلن کی لاٹ، امین آباد، لکھنؤ یوپی 226018

E-mail : islahisikandarali@gmail.com, Mobile No. : 9839538225

نئی دہلی میں رابطے کا پتہ:۔

سکنڈ فلور، افرا اپارٹمنٹ، E-82، لین نمبر-6، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو II، اوکھلا، نئی دہلی۔110025 موبائل نمبر۔7827735362

نیکی، بدی اور مسلمان

انتظار نعیم

نیکی ایسا لفظ ہے جس سے دنیا کا شاید ہی کوئی شخص ناواقف ہو۔ عام طور پر لوگ نیکی کی بات کرتے اور نیک عمل کرنے کی کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں۔ مسلمان نیکیوں کے حصول کے کچھ زیادہ ہی تمنائی ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے ذہن میں اس سلسلے میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتے ہیں، لہٰذا وہ نیک عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے طلب گار رہتے ہیں تاکہ آخرت میں ابدی کامیابی اور سرخروئی سے سرفراز ہو سکیں۔

اسی طرح بدی اور گناہ کے تصور سے بھی کسی مسلمان کا ذہن خالی نہیں رہتا اور عام طور پر لوگ دانستہ ان سے اجتناب کی کوشش اور اپنے رب کے عتاب سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔ لیکن دنیوی زندگی میں انسان کے ساتھ شیطان کی کارفرمائی بھی جاری رہتی ہے اور اس کا اپنا نفس بھی اس کو دھوکے اور فریب میں مبتلا رہنے کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ اس سے حفاظت کی کوششیں نہ کرے تو اُس کی نیکیوں پر بدی و گناہ اور ظلم و ناانصافی کے میلان کا غلبہ ہوتا جاتا ہے اور بدقسمتی سے وہ وقت بھی آجاتا ہے جب اس کے دل پر غفلت کا سیاہ پردہ پڑ جاتا ہے۔ اُس کا نفس گناہوں کو اُس کے لئے لذت بخش بنا دیتا ہے اور اُس کے لئے اللہ اور رسولؐ کے احکام سے روگردانی آسان ہو جاتی ہے۔ اُس کی بے اعتدالی کی یہ روش خود اس کو بھی تباہ کرتی اور سماج کے لئے بھی بے شمار مسائل پیدا کرتی ہے۔ ذیل کی سطور میں ایسے ہی چند مسائل کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ حقوق پر دست درازی:

اسلام نے قرابت داروں کے واضح حقوق متعین کئے ہیں۔ والدین کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔ ماں کے قدموں تلے جنت کا عالمگیر مژدہ اسلام کی ہی خوبصورت دین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ: ''وہ تمھاری جنت یا جہنم ہیں۔'' (ابن ماجہ) لیکن سماج میں ایسے بد قسمت بھی نایاب نہیں ہیں جو اپنے والدین کی خدمت کرنے کے بجائے اُن کے حقوق غصب کرتے اور ان کی زندگی اجیرن کرتے ہیں۔ ایسے خطا کار گھر سے باہر اپنے علم، دولت و ثروت، مقام و مرتبہ اور اپنے سوشل ورک کا ڈھنڈورا پیٹ کر سماج کی آنکھوں میں تو دھول جھونک سکتے ہیں لیکن اللہ کی نگاہ سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ اسی طرح جو لوگ اپنے بھائیوں، بہنوں اور دیگر عزیزوں کے اللہ کے عطا کردہ حقوق میں دست درازی کرتے ہیں اور جو لوگ بچیوں کو زندہ رہنے اور لڑکیوں کو باوقار زندگی گزارنے کے حق سے محروم کر دیتے ہیں وہ بھی خدا کی پکڑ سے کہاں بھاگ سکتے ہیں؟

۲۔ گھریلو تشدد:

اسلام پرسکون اور راحت افزا خاندان کی بنیاد رکھتا ہے،اس لئے گھریلو تشدد اسلامی سماج میں عام تو نہیں ہے لیکن مسلم ماحول اس سے پاک بھی نہیں ہے۔ شکوہ شکایت گفت وشنید کے ذریعہ حل کر لینے کے بجائے معاملات پولیس تھانوں اور عدالتوں تک پہنچ کر متعلقہ خاندانوں کو مشکلات میں ڈالتے ہیں اور اپنے سماج کے لئے بھی رسوائی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ گھریلو مسائل مردوں اور عورتوں، دونوں ہی کی جانب سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی مرد ظلم و ناانصافی کرتا ہے اور کبھی عورت بھی شرعی حدود توڑ کر اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو اذیت میں گرفتار کرتی اور گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ مردوں عورتوں دونوں کو سوچنا چاہیے کہ اسلامی عائلی قوانین کی رو سے زیادتی جس کی بھی ہو سب سے اللہ واقف ہوتا ہے اور ایک دن اس کی میزانِ عدل قائم ہو کر حق اور ناحق کا فیصلہ ضرور کرے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں سنوارنے کے لیے خاندانوں میں خوش گوار و پرسکون ماحول قائم کیا جائے۔

۳۔ دل آزاری اور انتشار باہمی:

دل آزاری کو بدترین جرم کہا گیا ہے، یہ انتشار وافتراق کا سبب بنتی ہے۔ اِس کے برعکس اتحاد و اتفاق قرآن کی تعلیم کا عین تقاضا ہے۔ (القرآن: ۳:۱۰۳) اس واضح حقیقت کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ بعض افراد اپنے گفتار و کردار سے دیگر مسلمانوں، ان کے مسالک اور ان کی تنظیموں اور جماعتوں کی دل آزاری اپنی دینی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔ وہ ملت میں انتشار برپا کر کے سرخروئی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ایسا کر کے وہ دین وملت کے بدخواہوں اور شیطان کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر خدا کی ناراضی کو دعوت دیتے ہیں، جس سے مکمل اجتناب اور مثبت طرزِ عمل ہی ان کے نامہ اعمال کو درست کر سکتا ہے۔

۴۔ عزت و آبرو پر حملہ اور بدکاری:

عزت و آبرو انسان کی عزیز ترین چیزوں میں سے ہے۔ اس کی حفاظت کی وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس پر حرف آ جائے تو اس کا چین وسکون سب چھن جاتا ہے۔ جس طرح ہر شخص اپنی عزت آبرو کی پاسداری کرتا ہے اُسی طرح اس کو یہ احساس بھی ہونا چاہئے کہ اس کے کسی طرزِ عمل سے دوسرے کی عزت پر حرف آئے تو اُس کو بھی شاید ناگوار اور اس کی بے چینی و اضطراب کا سبب ہو سکتا ہے۔ خاص طور پر جب کسی شخص کا مزاج بدکاری کا بن جائے تو گو یا وہ خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے مومنین کو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کی تاکید کی ہے۔ (سورہ مومنون: آیت ۵،۶) اس جرم کی سنگینی کے سبب اسلام میں اس کی کیا سزا ہے اس سے شاید بہت کم لوگ ہی ناواقف ہوں۔ نیک بازوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ ’’اے قریشی جوانو تم لوگ زنا کا ارتکاب نہ کرنا، جو لوگ عفت و پاک دامنی کے ساتھ زندگی گزاریں گے وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔‘‘ (ترغیب وترہیب)

۵۔ پڑوسی کا حق:

پڑوسی کے غیر معمولی حقوق کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات بڑی حساسیت پر مبنی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حقوق کی پاسداری کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: ’’جس نے پڑوسی سے اپنے گھر والوں اور مال کے بارے میں خطرہ محسوس کیا اور دروازہ بند کر کے سویا تو ایسا پڑوسی مومن نہیں ہے اور وہ بھی مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے ظلم اور دست درازی سے مطمئن نہ ہو۔‘‘ (ترغیب وترہیب) اس کے باوجود رسولؐ کے نام لیواؤں میں ایسے نامرادوں کی کمی نہیں جو پڑوسی کے دروازے پر کوڑا پھینکنے، اس کی جائداد میں کھڑکی کھولنے، اس کی زمین میں پرنالہ گرانے، اس کی بے پردگی کرنے، اس کی عزت و آبرو کے لیے مسائل پیدا کرنے اور اس سے غیر ضروری لڑائی جھگڑا کرنے میں کوئی تکلف کرتے ہوں۔ ایسے افراد کا مل جانا بھی مشکل نہیں جو اپنے پڑوسی کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کرنے والے ہوں۔ اللہ رسولؐ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ سب کام عملاً ختم کرے، ان کی تلافی کرے اور پڑوسی کو راضی اور مطمئن کرے۔

۶۔ جائدادوں پر ناجائز قبضہ:

ہوس ناکی اور مادہ پرستی کے اس دور میں دوسروں کی زمین جائداد ناجائز، حرام اور غیر قانونی طریقے پر غصب کرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ ایسے افراد گاؤں میں دوسروں کے کھیت اور زمین پر اپنی فتنہ پردازی، طاقت وقوت اور اثر ورسوخ کے ذریعہ قبضہ کر لینے، اپنے نام کرا لینے اور دوسرے کو اس کے حق سے محروم کر دینے میں کوئی تکلف نہیں کرتے۔

شہروں میں دوسروں کے پلاٹ، فلیٹ اور جائدادوں کو اپنی شر انگیزی اور جھوٹی مقدمہ بازی سے ہڑپ کرنے والے بہت ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’جس نے کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کیا، قیامت کے دن اس کو سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔‘‘ (بخاری) لیکن بعض خدا بیزار حاجی اور حجن کہلانے والے لوگ تک اور اُن کے گناہوں میں شریک ومعاون اُن کی اولاد فرضی اور جھوٹے مقدمات کے ذریعہ دوسرے کی جائداد کو غصب کرنے کے بھیانک جرم سے باز نہیں آتے۔ دوسرے کے پلاٹ پر فریب وعیاری کے ذریعہ قبضہ کر کے اس پر کثیر منزلہ بلڈنگ تعمیر کر کے فلیٹ فروخت کرنے والے اور آخرت میں اپنے لئے بُرا ٹھکانہ بُک کرانے والے افراد بھی ملت کی صفوں میں موجود ہیں۔ وہ اس سے بے پرواہیں کہ قیامت میں خدا کی بارگاہ میں کس ذلت وخواری سے دوچار اور کس دردناک سزا کے مستحق ٹھہریں گے!

۷۔ تجاوزات کی ہوس ناکی:

نیکی اور بدی کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں سے آگاہ کی گئی امت کو شہری ذمہ داریوں کے پہلو سے بھی مثالی کردار پیش کرنا چاہئے اور اپنی دکان اور مکان اپنی حقیقی حد میں رکھنا چاہئے، لیکن زمین کی ہوس میں گرفتار ملت اسلامیہ کے بہت سے افراد جن میں بہ ظاہر دین دار اشخاص بھی ہوتے ہیں وہ بھی تجاوزات (Enchroachment) کی بیماری سے خود کو محفوظ نہیں رکھ پاتے۔ بعض لوگ اپنی دکان سے باہر فٹ پاتھ اور سڑک پر قبضہ کر کے سرکاری ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے کے ساتھ ہی راہ گیروں کا حق مارتے ہیں اور کچھ تو فٹ پاتھ کو مستقلاً اپنی دکان میں شامل کر لیتے ہیں اور پھر مزید بڑھ کر سڑک پر کاروباری سامان پھیلا کر وہاں ٹیبل کرسیاں لگا کر کاروبار کرتے ہیں اور انھیں احساس نہیں رہتا کہ فٹ پاتھ اور سڑک پر مستقل ناجائز قبضہ کر کے جو روزی کمائی جاتی ہے وہ کتنی جائز ہوتی ہے؟ گلیوں اور سڑکوں کو تنگ کر کے ٹریفک کے لئے مشکلات اور راہ گیروں کے لئے مصیبت پیدا کرنے والے غور نہیں کرتے کہ دین رحمت اسلام میں اس کی گنجائش ہے بھی یا نہیں؟ اِسلام تو راستوں کا بھی حق ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آج

گلیوں، سڑکوں اور بالکنیوں (چھجوں) کے تجاوزات کے جرم اور گناہ کا ارتکاب کرنے والےکل آخرت میں کن کن متاثرین کا حق ادا کر پائیں گے؟

۸۔ چوری:

چوری ایسا فعل ہے جس کو پوری دنیا ناپسند کرتی، اس کے خلاف قانون بناتی اور چوری ثابت ہونے پر اس کے مرتکب کو سزا دیتی ہے۔ اسلام اس سلسلے میں بھی دنیا کی بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ وہ جزا وسزا کا ایسا عقیدہ دیتا ہے جس کی بنیاد پر ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ چوری کے ایک معاملہ میں حضورؐ نے حد جاری کرنے یعنی کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا'' (فاطمۃ الزہرا۔طالب ہاشمی ص ۱۵۵) چنانچہ اس کی سنگینی اور قباحت کو محسوس کرتے ہوئے لوگ چوری سے عام طور پر اجتناب کرتے ہیں، لیکن افسوس کہ اس کے ساتھ ہی کچھ مسلمان ایسے ہیں جو مختلف قسم کی چوریوں کے گناہوں میں ملوث ہو کر خود کو داغدار اور گنہ گار کرتے، اپنے گھر اور خاندان کی توہین وتذلیل کرواتے، جیلوں میں زندگی کے قیمتی ایام تباہ کرواتے، جس کی چوری کرتے ہیں اس کی بددعاؤں کا شکار ہوتے اور اپنی عاقبت تباہ کرتے ہیں۔ اس روش پر چلنے والوں کو اپنے فائدہ اور نقصان کا موازنہ نہ کرنا چاہیے۔

۹۔ جُوا، سٹہ:

جوا اور سٹہ بھی سماج کو دیمک اور جونک کی طرح خاموشی سے چاٹتا ہے۔ بلا استحقاق اور بغیر کسی خاص محنت کے ایک شخص یا کچھ لوگ دوسرے بہت سے لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہیں۔ اللہ نے اس کو شیطانی کام قرار دیتے ہوئے حرام قرار دیا ہے۔ (القرآن: ۵:۹۰، ۹۱) اس میں ملوث لوگ قانون کے مجرم اور اللہ کے گنہ گار ہوتے ہیں۔ ایسے افراد سماج کے بھی دشمن ہوتے ہیں کہ لوگوں کو محنت مشقت کے ذریعہ پاکیزہ معاش کے حصول کی جدوجہد سے روک کر ان کو دھوکہ اور فریب کی راہ سے دولت کمانے کی طرف مائل کرتے اور انہیں اللہ کے حدود توڑنے کا عادی بنا کر ان کی اور خود اپنی بھی دنیا اور آخرت دونوں خراب کرتے ہیں۔

۱۰۔ سود:

انسانی ہمدردی وغم گساری سے بے اعتنائی اور جبر واستحصال کا نام سود ہے۔ بے رحمی و سفاکی کا نام سود ہے۔ کسی انسان کی شدید ضرورت کی خدا کی خوشنودی کے لئے مخلصانہ تکمیل نہ کرنے کا نام سود ہے۔ اسی لئے خدائے رحیم وکریم نے اس کو حرام قرار دے کر سود کے جواز کی کوئی صورت باقی نہیں چھوڑی ہے اور سود خوروں کو جہنم کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ قرآن کا جگہ جگہ ارشاد ہے: ''اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام'' (سورہ البقرہ، آیت ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸ سورہ آل عمران آیت ۱۳، سورۂ النساء آیت ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ خود بھی رحیم ہے اور اس کا منشا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے کہ انسان دوسروں کی ضرورت پر اس کے بے لوث کام آئے۔ اسلامی تاریخ کے دامن میں ایسی کتنی ہی تابناک مثالیں موجود ہیں جب مسلمانوں نے اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دی اور ان سے تعاون کو اپنے لئے سعادت سمجھا۔ مگر افسوس کہ مادہ پرستی کے اس دور میں سود لینا دینا دنیا کی رگ رگ میں سما سا گیا ہے اور کتنے ہی مسلمان آج اللہ کے حکم سے اعراض برتتے ہوئے سودی لین دین میں اپنی فلاح تلاش کر رہے ہیں۔ جنہیں انسانوں کو پاکیزہ معیشت کے تابندہ اصول دینے تھے وہ خود حرام سودی کاروبار میں ملوث اور ناجائز سودی نظام میں گرفتار ہی نہیں اس کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ قابل مبارک باد ہیں وہ مسلمان جو دنیا بھر میں اس سامراجی، سرمایہ دارانہ اور صہیونی استحصالی نظام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے مقابل اسلام کے بلاسودی نظام معیشت کی رحمتیں وبرکتیں پیش کر رہے ہیں اور انسانوں کو سود کے بے رحم وخودغرض نظام سے آزاد کرانے کی مبارک سعی کر رہے ہیں۔

۱۱۔ ملاوٹ اور کم ناپ تول:

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی بھی انسان کے مسموم ذہن کی اختراع ہے جس کو اسلام حد درجہ ناپسند کرتا ہے۔ قرآن نے ''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی'' (سورہ المطففین: آیت: ۱ تا ۶) کہہ کر اس سے بچنے کی تلقین کی ہے اور امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ملاوٹ کے خلاف حکم نامہ جاری کیا تھا۔ لیکن انسان اگر اللہ کی نعمتوں پر قناعت نہ کرے، اس کا شکر گزار نہ ہو اور ہوس کی وادیوں میں گھومتا پھرے تو راتوں رات دولت جمع کرنے کے خواب دیکھنے لگتا ہے اور ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کو ذریعۂ منفعت بنا لینے میں کوئی قباحت اور شرم محسوس نہیں کرتا۔ اس کا ظالمانہ وبے رحمانہ مزاج دودھ، گھی، کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی بیشتر اشیاء میں ہی ملاوٹ نہیں کرتا بلکہ انسانوں کی زندگیوں سے کھلواڑ کرتے ہوئے حیات بخش دواؤں میں بھی ملاوٹ سے باز نہیں آتا۔

ملاوٹ کے ساتھ جو اشیاء بازار میں فروخت ہوتی ہیں، انسانوں پر مزید ستم کرتے ہوئے انہی کے ہم جنس دوسرے انسان پھر کم ناپ تول کر کے یا اشیائے ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی کر کے ان کا مزید استحصال کر کے اپنی تجوریاں بھرنے کا مکروہ سلسلہ قائم رکھتے ہیں۔ اسلام کی پاکیزہ مزاجی نے ان انسانیت مخالف کاموں سے بچنے کی تلقین کی ہے اور ان جرائم پر سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی کتنی تعداد ملاوٹ، کم ناپ تول اور ذخیرہ اندوزی سے سختی سے پرہیز کرتی ہے یہ اعتماد کے ساتھ کہنا مشکل ہے! قابلِ ستائش ہیں وہ لوگ جو مواقع اور آسانی کے باوجود اللہ کا ڈر رکھتے اور ان گناہوں سے دور رہتے ہیں۔

۱۲۔ کرپشن اور رشوت ستانی:

کرپشن، بدعنوانی اور رشوت ستانی کی مہذب سماج میں کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے لیکن زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس میں انسان بغیر کسی استحقاق کے غیر قانونی وغیر اخلاقی طور پر کرپشن اور رشوت کے ذریعہ دوسرے کی جیب کترتا، اس کا خون چوستا اور اس کو روحانی تکلیف پہنچاتا ہے۔ چوری تو انسان چھپ چھپا کر کرتا ہے لیکن کرپشن اور رشوت خوری تو کھلی ڈاکہ زنی ہے جس میں لوگ کسی کو اس کا قانونی حق دینے اور اس کا جائز کام کرنے کے لئے اس سے رشوت طلب کرتے ہیں۔ یہ رشوت چاہے لاکھوں کروڑوں روپے کی ہو یا محض سو دو سو روپے کی دونوں ہی صریح ناجائز اور گناہ کا کام ہے اور اسلام نے اس کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا ہو'' (مشکوٰۃ) مگر صد حیف! کہ مسلمانوں کا بھی دامن اس سے پاک نہیں اور یہ خیال انہیں پریشان نہیں کرتا کہ بارگاہ خداوندی میں وہ کس کس کرپشن اور کس کس رشوت خوری کی جواب دہی کر سکیں گے!

۱۳۔ ظلم کی تائید، ظالم کی ثنا خوانی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (صحیح مسلم) چنانچہ مسلمان مزاجاً حق کا طرف دار اور ظلم وظالم کو نا پسند کرتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے وہ اپنے لئے ظلم کو روا رکھنے، اس کی علم برداری اور تائید وحمایت کرنے، حق کی مخالفت کرنے اور اہلِ حق پر مظالم ڈھانے کو باعث فخر سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا ایک ایک عمل اللہ کے فرشتے نوٹ کرتے ہیں اور قیامت کے روز ان کے ظلم وستم اور سفا کی کی گواہی دیتی اُن کے گناہوں کی فرد سیاہ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر ان کو جواب دہی کے مقام پر کھڑا کرے گی اور ان کی آخرت کو تباہ کر دے گی۔ بعض بدقسمت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ خود تو ظالم ہوتے ہیں نہ ظلم کرتے ہیں لیکن یہی کیا کم ہے کہ تھوڑی سی دنیا کے لالچ میں ظالم کی تائید اور اس کی ثنا خوانی و پرچم برداری کر کے نیز قاتل کو مسیحا کہہ کر خسران کا سودا کرتے ہیں!

۱۴۔ قتل وخوں ریزی:

قتل وخوں ریزی بھی انسان عام طور پر انتقام کے جذبے، مسلکی قومی ملکی عصبیت، برتری کے اظہار، مال ومتاع کے حصول، اقتدار پر ناجائز قبضے، توسیع پسندانہ عزائم اور نفسانی خواہشات کی تکمیل وتسکین کے لئے کرتا ہے اور خونِ ناحق کا گنہ گار ہوتا ہے۔ پوری تاریخ انسانی میں بے شمار انسانوں کا خون انسان ہی نے بہایا ہے اور آج بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ جرم انسان ہی کر رہا ہے۔ مسلمان کے لئے مسلمان کا خون تو حرام ہے ہی، کسی دوسرے انسان کا بھی ناحق خون بہانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ قتل وخوں ریزی کے یہ کام کرنے والے مسلمان روزِ حشر اللہ کے حضور ناحق خون کے کس کس قطرے کی جواب دہی کرسکیں گے اس پر انہیں غور کرنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرو۔''

۱۵۔ شراب اور دیگر منشیات:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بھی کی ہے اور اس سے بے پایاں محبت بھی کرتا ہے، لہٰذا ہمارے خالق نے ہمیں بہترین عقیدہ بھی دیا ہے اور عمل کے صاف ستھرے و پاکیزہ اصولوں کی راہ نمائی بھی فرمائی ہے۔ اسی لئے اُس نے عقیدہ وعمل دونوں سے انسان کو بھٹکانے والی اُم الخبائث شراب اور ہر طرح کے نشے کو حرام قرار دے کر ان سے بچنے کی تلقین فرمائی (القرآن: ۵:۹۰، ۹۱)۔ رسولِ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی کشید، اس کے کاروبار اور استعمال پر ہمیشہ کے لئے پابندی لگا دی۔ مگر انسان کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں کہیں نہ کہیں موجود اس کا جذبہ نافرمانی، اللہ اور رسولؐ کی واضح ہدایات کے باوجود اس کو مے کشی کی لعنت میں گرفتار ہونے سے بچنے نہیں دیتا اور شراب کے علاوہ دیگر منشیات کا شکار ہو کر وہ اپنی صحت اور زندگی کو تباہ کرتا، اپنے عزیزوں کو اذیت و پریشانی میں مبتلا کرتا اور انتظامیہ کے لئے مسائل پیدا کرتا ہے۔ جس کو ان برائیوں سے پاک رہ کر سماج کے سامنے ایک مثالی کردار پیش کرنا چاہئے تھا افسوس کہ وہ اپنے خاندان، اپنی ملت اور اپنے دین کی رسوائی کا سبب بنتا ہے!

۱۶۔ عریانی وفحاشی:

قرآن کریم میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حسن اور اپنی آرایش کی نمایش نہ کرتی پھریں (سورہ نور، آیت ۳۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں کپڑوں میں ملبوس رہتی ہیں لیکن قیامت کے دن برہنہ ہوں گی''۔ (بخاری) حضورؐ نے فرمایا کہ ''حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔'' لہٰذا آرٹ، کلچر، ڈانس، مُجرا، اسپورٹ، فلم، فیشن، بزنس اور موڈرنزم جیسے کسی بھی نام اور عنوان سے انسانوں کے لئے برہنگی و بے حیائی اختیار کرنے کی کوئی گنجائش ہے نہ اجازت۔ لیکن آج شرم وحیا کو طاق پر رکھ کر عریانی وفحاشی اختیار کی جا رہی ہے اور صارفیت کا دور اس کو عام کرنے میں مددگار بن رہا ہے۔ خاص طور پر عورت کو مختلف حسین نعروں کے فریب میں مبتلا کر کے اس کو نیم برہنہ بلکہ برہنہ سا کر کے اس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ وہ خود بھی استحصالیوں کے جال میں خوش دلی سے پھنستی، اپنی عصمت وآبرو داغدار کرتی اور اپنی سادگی سے اس کو اپنا حق سمجھتی ہے!

دوسری تہذیبوں کی مرعوبیت کے سبب اس کی پیروی وغلامی اختیار کرنے کے لئے اب مسلمان مرد وخواتین بھی دوڑ لگا رہے ہیں۔ شادی کی تقریبات اور مختلف سماجی پروگراموں میں بھی اس کا تکلیف دہ وافسوس ناک مشاہدہ کیا جاسکتا ہے ؎

ایسا نہیں کہ کوئی برہنہ تھا بزم میں
لیکن کسی کسی ہی بدن پر لباس تھا

فلم، ٹی وی، اخبارات اور سوشل میڈیا اس تباہ کن کلچر کو فروغ دے رہے ہیں۔ انسان اور انسانیت کشی کا یہ کھیل کھیلنے والوں کو محض مالی منفعت سے غرض ہے۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ انسانیت کی تباہی کا کیا سامان کر رہے ہیں؟ بربادی کے ان ذرائع سے متاثر ہونے والے مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں کہ اسلام نے انہیں پاکیزہ عقیدہ اور شائستہ عمل کی تعلیم دے کر ان کو خیرامت کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے، جس کا تقاضا حیا، شرم، غیرت، پاکیزگی اور تقدس ہے، جس کو وہ اپنی سادہ لوحی سے پامال کر رہے ہیں!

۱۷۔ باطل خیال وفکر کی علم برداری:

دوسرے بہت سے بڑے گناہوں کی طرح ہی باطل اور خدا بیزار خیال وفکر اور ازم و فلسفہ کے فریب میں گرفتاری اور اس کی علم برداری بھی خدا سے سرکشی اور بغاوت کے مترادف ہے۔ باطل عقیدہ وفکر بہت خاموشی سے انسان کی سرشت کا حصہ بنتا اور اس کی پاکیزہ زندگی کو آلودہ کر کے بگاڑ دیتا ہے۔ پھر انسان ایک خدا کی رضا کے لئے کام کرنے کے بجائے نہ جانے کس کس کی اطاعت میں زندگی تباہ کر دیتا اور آخرت کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ حالانکہ انسان پر خدا کے بے شمار احسانات کا تقاضا ہے کہ اطاعت وبندگی اُسی کی کی جائے، زندگی اُسی کی ہدایت کے مطابق گزاری جائے، پیروی اُسی کے برگزیدہ رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کی جائے اور اس عقیدہ پر مضبوط یقین رکھا جائے کہ نجات وفلاح بس اِسی طرزِ حیات میں ہے۔

لمحۂ فکر:

یہ بات لائق شکر اور باعث ستائش وتحسین ہے کہ مسلم معاشرے میں نیکی، خیر، بھلائی، تقویٰ اور خدا پرستی کا ذکر اور گفتگو عام ہے اور اکثر و بیشتر علماء وخطیب اور مقرر حضرات کے خطابات، دینی جماعتوں اور سماجی تنظیموں کی مجالس، اخبارات ورسائل کے صفحات، اور کبھی کبھی ریڈیو، ٹی۔ وی اور سوشل میڈیا میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ نتیجتاً ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلم سماج ان بڑی بڑی خرابیوں اور برائیوں سے بڑی حد تک پاک ہوتا

جن کا مندرجہ بالا سطور میں سرسری تذکرہ ہوا ہے۔یعنی مسلمان، والدین کا، بھائی بہنوں اور دیگر قرابت داروں ہی کا نہیں بلکہ عام انسانوں کا حق ادا کرنے والا ہوتا، گھریلو تشدد جیسی کمزوریوں سے مکمل اجتناب کرنے والا ہوتا، اپنی گفتگو، خطابات، تحریروں اور فتاویٰ سے دوسروں کی دل آزاری سے گریز کرنے اور ملت میں انتشار وافتراق پیدا کرنے سے پرہیز کرنے والا ہوتا، دوسروں کی عزت وآبرو پرحملہ کرنے اور بدکاری جیسے قبیح گناہ سے دور رہنے والا ہوتا، پڑوسی کے حقوق ادا کرنے والا اوراس کواذیت دینے سے پرہیز کرنے والا ہوتا، کسی کے کھیت، پلاٹ، فلیٹ اور جائداد پر کسی بھی بہانے نا جائز وغیر قانونی قبضہ کرنے کوحرام تصور کر کے اس کے قریب بھی نہ جاتا، دوسروں کی جائدادوں اورفٹ پاتھ و سڑک کواپنی جائداد میں شامل کرنے، اس کا بیجا استعمال کرنے اوراس پر کاروبار کر کے روزی کمانے کو ناجائز سمجھتا، چوری، جوا، سٹہ، سود، ملاوٹ اورکم ناپ تول، کرپشن اور رشوت ستانی، ظلم کی تائید وظالم کی ثناخوانی اورقتل وخون کو اسلامی احکام کی خلاف ورزی سمجھ کران سے شدید اجتناب کرتا، شراب نوشی اور دیگر تمام نشہ آور اشیاء کے فروغ اوراس سے استفادہ کی تمام صورتوں کوحرام سمجھتے ہوئے اس سے مکمل دوری اختیار کرتا، عریانی فحاشی اور بے حیائی اختیار کرنے اوراس کی اشاعت کے تمام ذرائع کواسلام کے مزاج کے منافی سمجھ کر اس سے سخت نفرت کرتا اور باطل افکار ونظریات کواللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ پاکیزہ اصولوں کی نفی کرنے والا جان کر اس کی طرف رخ بھی نہ کرتا۔لیکن ایمانداری سے جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے! شاید لوگوں کے ذہن میں یہ خیالِ خام اور غلط تصور گھر کر گیا ہے کہ کچھ نیکیاں کر لینے، کچھ خیر خیرات کر لینے، کچھ نمازیں پڑھ لینے، چندروزے رکھ لینے، کچھ زکوٰۃ بھی ادا کر دینے، کبھی عمرہ اور حج کا سفر کر لینے، یا نیکی وبھلائی کے کچھ اور کام کر لینے سے حق تلفی، ظلم و زیادتی، قتل وخون، دوسروں کی زمینوں، پلاٹوں اور جائدادوں پرنا جائز قبضے، چوری، ڈاکہ، سودخوری، ملاوٹ وکم ناپ تول، کرپشن ورشوت خوری، شراب سے وابستگی اور عریانی و فحاشی کے فروغ کے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے! کیا واقعی ایسا ہوجائے گا یہ بہت سنجیدگی سے سوچنے کا سوال ہے!

جرائم کی تلافی اور توبہ:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فریاد سننے والا، ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے والا اور انہیں معاف بھی کرنے والا ہے۔لیکن جو جرائم اور گناہ انسان نے انسان کے ساتھ کئے ہیں ان کا مقدمہ تو آخرت میں اللہ کی بارگاہ میں لازماً پیش ہوگا اور داورِمحشر ان کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔مجرم اپنے جرائم کی سزا سے کسی طرح بھی بچ نہیں سکیں گے۔اللہ کے عادل اور منصف ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قیامت میں تمام مظلوموں کی دادرسی ہواوران کوان کا حق دلایا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال نامہ میں درج گناہ تین قسم کے ہوں گے، ایک وہ گناہ جسے اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا، وہ شرک کا گناہ ہے۔۔۔۔ دوسرا گناہ جو نامہ اعمال میں درج ہوگا بندوں کے حقوق سے متعلق ہے، اسے اللہ نہیں چھوڑے گا، یہاں تک کہ مظلومین ظالموں سے اپنا حق لے لیں، اور تیسرا درج رجسٹر گناہ وہ ہوگا جس کا تعلق بندہ اور خدا سے ہے، یہ اللہ کے حوالے ہے (وہ اپنے علم وحکمت کے تحت) چاہے گا تو عذاب دے گا (چاہے علم وحکمت کے تحت) معاف کر دے گا۔'' (مشکوٰۃ) لہٰذا ایسے لوگ جنہوں نے کسی بھی صورت میں بندوں کے حقوق غصب کئے ہیں ان کے لئے آخرت کی باز پرس اور سزا سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ کسی خوش فہمی میں پڑے رہنے کے بجائے جتنی ممکن ہوں چھوٹی بڑی نیکیاں ضرور کی جاتی رہیں، لیکن ساتھ ہی جن کے بھی حقوق مارے گئے ہیں وہ سب ادا کئے جائیں، جن کے ساتھ مکروفریب دھوکہ اور ظلم وناانصافی کی گئی ہے ان کوان کا حق واپس کر کے اس کی تلافی کی جائے، پھر صدق دل سے اللہ سے توبہ کر کے اُن سے معافی طلب کی جائے، اس کے بعد ہی امید کی جانی چاہئے کہ خدائے رحیم وکریم ایسے بندے کی طرف نگاہِ عفوودرگزر کرے گا ؎

اے مرے لوگو نہ جانے کوچ کب کرنا پڑے
کیا کبھی سوچا سفر کی کتنی تیاری ہوئی

ہے کوئی جس کواپنی خطاؤں کا شدید احساس ہو؟
ہے کوئی بندوں کے غصب کردہ حقوق انہیں واپس کرنے والا؟
ہے کوئی اپنے جرائم کی تلافی کرنے والا؟
ہے کوئی سچے دل سے اللہ سے توبہ کرنے والا؟
ہے کوئی شرمندگی وندامت کے ساتھ اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف قدم بڑھانے والا؟

غریبی

عدنان شبیبی

ٹوٹے برتن، کھلونے اور کپڑے
الٹے سیدے زمیں پہ رکھے ہیں
چھت سے پانی ٹپک رہا ہے
کھڑکی پنکھے کا کام کرتی ہے
بچے بھوکے ہیں، بس وہ روتے ہیں
کھانے کھانے سے پہلے سوتے ہیں

باپ پی کر ہی گھر پر آتا ہے
ماں تو بیمار سوتی رہتی ہے
بیٹا بے کار پھرتا رہتا ہے
بن بیاہی ہے لڑکی چولہے پر
جو ہمیشہ یہ سوچتی ہے کہ
اس غریبی کو میں مٹا دوں گی

لیکن عزت کا ایک خیال اس کو
بے حیائی سے روکے رکھتا ہے
گھر میں کھانا کہاں سے آئے
پانی پی کر ہی سونا پڑتا ہے
اس طرح سے ہی جینا پڑتا ہے

(چوتھی قسط)

کیمپس میں کام کے طریقے

امین عثمانی

دیوالی کی چھٹی قریب آ رہی ہے، دیوالی کی چھٹی میں دوست اپنا اپنا پروگرام بنا رہے ہیں، پھر سچ مچ دیوالی آ ہی گئی، رمیش نے چلتے چلتے کہا کہ مسلم اسٹوڈنٹس تو دیوالی نہیں مناتے اور وہ ہمارا ساتھ بھی نہیں دیتے، بلکہ ہم اگر ان کو کچھ مٹھائی دیتے ہیں تو وہ اسے بھی نہیں کھاتے، بڑے کٹّر ہیں یہ لوگ۔ سالم نے کہا کہ نہیں ہم نہیں تو تم کو اور دوسرے دوستوں کو دیوالی کے شبھ اوسر پر مبارکباد ضرور بھیجیں گے، البتہ پٹاخے پھوڑنا ہمارے بس کا روگ نہیں، ویسے بھی اتنے پٹاخے داغے جاتے ہیں اور اتنی آتش بازیاں ہوتی ہیں کہ دھوئیں کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے، انوائرمنٹ کا مسئلہ ہوتا ہے اور پھر اس پر پیسے الگ خرچ ہوتے ہیں، باقی مٹھائی کھانے میں مجھے کوئی پرابلم نہیں۔

حامد نے یہ بات سنی تو کہا کہ نہیں، ہم تو اسی بھارت میں رہتے ہیں اور اپنے پڑوسیوں کی خوشی میں اور خوشی کے موقع پر ہم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ہر فیسٹیول یا تیوہار اپنے پیچھے کوئی تاریخ رکھتا ہے اور اس کے پیچھے ایک فلسفہ ہوتا ہے، اس لیے جتنے بھی مذہبی تیوہار یہاں ہیں ان کے بیک اور پشت پر کوئی نہ کوئی فلاسفی ہے۔ دھارمک پوائنٹ آف ویو سے یہ ایک کٹھن اسٹیج و مرحلہ ہے جس میں ریلیجن، کلچر اور ٹریڈیشن سب مل جاتے ہیں اور ان کا ایک الگ کلر، رنگ ہوتا ہے، اس لیے اس کو کسی اور آنکھ سے دیکھنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ صحیح بات سمجھی جاسکے۔

رمیش کے دوست گپتا نے حامد سے کہا کہ یہ تو مذہبی کٹّر واد ہے مسلم اسٹوڈنٹس کی سوچ میں یہی شدت رہتی ہے جس کے سبب اور کارن وہ ہمارا ساتھ نہ دے پاتے ہیں اور نہ رہ پاتے ہیں۔ حامد نے فوراً ہی بات کاٹی اور کہا، نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ تیوہاروں میں ساتھ نہ دینا دوسری بات ہے باقی سماجی اعتبار سے ساتھ نبھانا، خوشی اور غم میں شریک رہنا بالکل الگ بات ہے۔

رمیش نے کہا کہ کیا کیمپس میں ایک جگہ پڑھنے والے، ایک ملک کے رہنے والے، ہولی، دیوالی، رمضان، عید، محرم، یہ سارے تیوہار سب مل کر نہیں منا سکتے۔ حامد نے ہنستے ہوئے کہا کہ بالکل، اگر ہمارے ساتھ روزے رکھنا چاہو تو شوق سے رکھو، لیکن خالی اپواس

سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ کچھ نیت بھی اور کچھ دوسرے کام بھی کرنے ہوتے ہیں جس کا سیدھا سیدھا کنکشن ایک اللہ کے حکم اور قانون سے جڑا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے دو تیوہار اصل تیوہار ہیں، جس کے بارے میں اسلام نے بتایا ہے، باقی تیوہار یونہی ہیں، وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ پھر یہ سب ایک جگہ چلتے چلتے بیٹھ گئے، کھتوان، جو فیزیکس کا ریسرچ اسکالر تھا اور بجرنگ دل سے تعلق رکھتا تھا، وہ بھی آ گیا، اس نے کہا کہ کیا کتھا چل رہی ہے، جب اس کو گپتا نے بتایا کہ اس ویشئے موضوع پر بات ہو رہی ہے، تو اس نے کہا کہ مذہبی کٹر پن سے وہ بھی اس سوچ کے ساتھ ایک خاص مذہب کو پھیلانا ہے اور اس کو انفورس کرنا ہے بالکل صحیح نہیں ہے۔ حامد کے ساتھ ہی عبدالباسط بھی فوراً بول پڑے، یہی تو ہندوستان کی خاص بات ہے کہ یہاں سارے مذاہب ایک ساتھ چل رہے ہیں اور سب مل جل کر رہتے ہیں، یہ تو تم لوگ ہو کٹر وادی وچاروں خیالات کو پھیلاتے ہو اور لوگوں کو بھڑکاتے ہو۔ اس پر کھتوان بھڑک اٹھا اور اس نے سیدھے سیدھے اسلام اور مسلمانوں پر کمنٹ اور تنقید کرنا شروع کر دی کہ مسلمان چونکہ گوشت کھاتے ہیں اس لیے ہر وقت لڑنے بھڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور ہم لوگ اصل بھارتی ہیں، سبزی کھاتے ہیں اس لیے ہمارا مزاج ٹھنڈا ہے، ہمارے اندر سب کو ساتھ لیکر چلنے کی چھمتا اور طاقت ہے۔ وہ بولا کہ مسلم ودیارتھیوں کے اندر ایموشن بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ ادھک تر، اکثر ری ایکشن کے موڈ میں رہتے ہیں، یونیورسٹی کا کیمپس تو سب کے لیے ہے، پڑھنے پڑھانے، سوچنے وچار کرنے کی یہاں سب کو سویدھا اور سہولت ہے، اس لیے ہم سب کو سوچنا چاہئے کہ ہم لوگوں سے کہاں غلطی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ودیارتھی ایک دوسرے سے دھرم کی بنیاد پر کٹ کٹ کر دور دور رہنے لگے ہیں۔

حامد کے گروپ کے دو تین مسلم طلباء جو فریشر تھے، انھوں نے دیوالی کی رات میں ہوسٹل میں اپنے پیسے سے بہت سارے دیے جلا دیئے، جلتے دیے کو دیکھ کر ہندو طلباء خوش ہوئے کہ ہمارے کلچر کا لحاظ کرتے ہوئے مسلم طلباء نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ ایک کیمپس میں مختلف ریاستوں کے اور مختلف مذاہب کے طلباء ہوتے ہیں، وہ سب الگ الگ سماجی پس منظر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے کیمپس کا رنگ الگ الگ کلچر کو بتاتا ہے اور الگ الگ وچاروں اور سوچوں کو، اگر اچھے اقدار، ویلوز اور اچھائیوں کی بات کی جائے تو اسٹوڈنٹس کی سمجھ تو آتی ہے لیکن ان کی آزادی یا آزاد روش سے بہت زیادہ میل اس وجہ سے نہیں کھاتی کہ یہ طلباء فری رہ کر اپنے اوقات گزارنا چاہتے ہیں اور بہت زیادہ بوجھل قسم کے فلسفے کو اپنے سر پر لادنا نہیں چاہتے۔ یہیں وہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اخلاقی قدروں کو انسانی سماجی زندگی میں اس طرح نہیں سمویا جاسکتا کہ ہر طبقہ کے لوگ اس کو اپنے لیے باعث رحمت تصور کرنے لگیں، اگر ایسا کیا جائے کہ ثقافتی سرگرمیوں کو خالص مذہبی احکام سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ممکن ہے باہمی اشتراک کی نئی شکلیں سامنے آئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہنی حالت اور پورے پس منظر کو سمجھے بغیر موٹے موٹے بھاری بھاری لفظوں والی نصیحت سے کوئی بہت زیادہ تاثر نہیں قائم ہوتا۔

ہر طرف شور، ہنگامہ، پٹاخوں کی آوازیں تیز ہوتی چلی گئیں، طلباء جوق در جوق چائے کھانوں اور ڈھابوں کی طرف چلتے نظر آئے، حامد، سالم، عبدالباسط اور ان کے دوسرے ساتھی بھی نکلے تاکہ ادھر ادھر ٹہل گھوم کر دیکھیں، ان کو محسوس ہوا کہ ہوا میں خنکی بڑھ گئی ہے اور ٹھنڈ سی ہو رہی ہے، اس لیے یہ سب واپس اپنے کمرہ میں آ گئے اور سو گئے، دیوالی کے دیے جلتے جلتے بجھنے لگے، اور ان کو تو بجھنا ہی تھا۔ حامد نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ عارضی روشنی ایک دن سب بجھ جائے گی اور ایک عظیم خوفناک تاریکی رونما ہوگی، اس سیاہی میں روشنی تو صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی، کاش مجھے آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ساتھ مل جائے جن کے پاس نور ہوگا، روشنی ہوگی اور ایمان کی، قربانیوں کی چمک ہوگی۔ یہ سوچتے سوچتے حامد سو چکا تھا۔

دیر سے سونے کے باوجود حامد اور اس کے قریبی ساتھیوں کی آنکھیں فجر کی نماز کے لیے کھل گئیں اور ان سب نے نماز کے بعد گرم چائے کا نظم کیا، پھر آپس میں باتیں کرنے لگے کہ سائنس اسٹوڈنٹس کے لیے ہمیں الگ قسم کے موضوعات منتخب کرنے چاہئیں اور کچھ نئے انداز سے نئے اسلوب میں اپنی بات رکھنی چاہئے، اس طرح شاید وہ زیادہ متوجہ ہو سکیں۔ چنانچہ یہ رائے بنی کہ قرآن میں پانی، زمین اور پہاڑوں کے موضوع پر سائنس اور آیات کی روشنی میں ایک لیکچر پروفیسر راشد دیں گے اور اس میں صرف سائنس کے اسٹوڈنٹس کو بلایا جائے گا اور مقالہ بھی انگریزی اور ہندی میں اسٹوڈنٹس کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، تاکہ خدا کی قدرت اور توحید کو سمجھایا جاسکے۔

ناشتہ کے لیے جاتے ہوئے ایم اے کے دو طلباء جو مدرسہ بیک گراؤنڈ کے تھے حامد کے قریب آئے اور بولے کہ آپ لوگ جس اسلام کا پرچار کرتے ہیں وہ ایک آزاد قسم کا اسلام محسوس ہوتا ہے، ہم لوگوں کا خیال ہے کہ آپ لوگ کسی مسلک کی بھی پابندی شاید نہیں کرتے، یہ سنتے ہی حامد کے دوست کلیم خان نے جو اصلاً فائن آرٹ کے اسٹوڈنٹس تھے حافظ قرآن بھی تھے اور اسلامیات کا بڑا گہرا مطالعہ تھا، بولے مولانا یہ تو بتائیے شریعت کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ پھر آگے بات ہوگی، مگر افسوس کی بات تو یہ رہی کہ وہ دونوں مدرسہ سے آئے ہوئے طلباء شریعت کی تعریف نہ بتا سکے بلکہ دونوں آپس ہی میں الجھتے رہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے، اس کا دائرہ کیا ہے، اس کے معانی کیا ہیں، اس میں کیا شامل ہے، اس کے حدود کیا ہیں۔ کلیم خان ان دونوں سے یہ بھی پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ نص کی کتنی قسمیں ہیں۔ اس کا بھی وہ دونوں کوئی بہت تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ تو کلیم خان نے کہا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی آفاقیت اور وسعت کو سمجھنے کے لیے روشن عقل چاہئے۔ آپ دونوں شاید نص کی عبادت کے قائل ہیں، نص سے رہنمائی کے کم۔

ناشتہ کے میز پر سب ایک جگہ قریب قریب بیٹھے جہاں یہ بات آئی کہ آپس میں اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا اسلامی ادب اور طریقہ ہے اور اسی طرح اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرنا بھی ضروری ہے۔

پروفیسر راشد کا سائنس ہال میں پروگرام بہت اہتمام سے ہوا، بہت خوبصورتی سے انھوں نے آیات قرآنی کی روشنی میں پانی کی قسموں اور زمین میں پہاڑوں کی حیثیت و ضرورت کو بیان کیا۔ خوب سوالات ہوئے، پروگرام بہت ہی عمدگی سے منعقد کیا گیا تھا، سائنس فیکلٹی کے اسٹوڈنٹس بھاری تعداد میں اللہ کی قدرت و صناعی کو اسکرین پر تصویروں کی مدد سے سمجھ رہے تھے۔ (جاری)

ضیاالسلام
ترجمہ: ذکی مومن

موجودہ حکومت میں جیتے جاگتے عام آدمیوں کے ''اچھے دن'' تو نہیں آسکے، لیکن ہندوتوا کے موسس کی حیثیت رکھنے والے ونایک دامودر ساورکر کے اچھے دن ضرور آ گئے۔ شہرت کی دوڑ میں ساورکر کا نام نہ صرف آر ایس ایس کے دیگر مفکرین جیسے گولوالکر یا ہیڈ گیوار سے آگے چل نکلا ہے، بلکہ اب بابائے قوم مہاتما گاندھی بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ تاریخ کی نصابی کتابوں میں ساورکر کی شخصیت کو جدوجہد آزادی کے حوالے سے انتہائی اہم بتایا جا رہا ہے، جو درحقیقت آزادی کی لڑائی میں ایک بھگوڑے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابتداً وہ ایک ملحد کی حیثیت سے سامنے آئے اور پھر جب ہندوتوا کا لبادہ اوڑھا تو انگریزی حکومت کے وفادار بنے رہے۔ حکومت برطانیہ کو بھیجے گئے ان کے معافی نامے کوئی پوشیدہ بات نہیں اور نہ ہی حکومت برطانیہ سے تعاون کرنے کا ان کا عہد ہی کوئی مخفی معاملہ ہے۔ مزید یہ کہ وہ کھلے عام گائے کو ہندوؤں کے لئے کوئی تقدس کا درجہ بھی نہیں دیتے، لیکن ان سب کے باوجود ریاست راجستھان کی درسی کتابوں میں اب ان کے دیش بھکتی کے افسانے درج ہو رہے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان کی شدید مسلم دشمنی اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ ایک قومی ہیرو بنا دیے جائیں۔

راجستھان میں جماعت ہشتم سے آگے کی نئی درسی کتابوں میں جدوجہد آزادی کے حوالے سے مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو کے ناموں کی جگہ اب ویر ساورکر، ہیڈ گیوار اور دین دیال اپادھیائے کے ناموں کی ستائش نظر آ رہی ہے، اور کچھ مذہبی لیڈران جیسے وویکانند اور اروبندو کے نام نظر آتے ہیں۔ دسویں جماعت کی تاریخ کی کتاب میں ساورکر آزادی کی تحریک کے سب سے بڑے انقلابی نظر آتے ہیں۔ عدم تعاون کی تحریک اور بھارت چھوڑو جیسی قابل ذکر تحریکات کے بیان کو انتہائی مختصر کر دیا گیا ہے، اور ان تحریکات میں گاندھی جی کے کردار کو مزید مختصر کیا گیا، جبکہ ان کے حوالے سے جواہر لعل نہرو قابل ذکر ہی نہیں سمجھے گئے۔ جدوجہد آزادی کے معاملے میں دین دیال اپادھیائے جو درحقیقت قابل نظر انداز ہیں، اب وہ نئے نصاب میں نہرو کے ہم پلہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہیں غیر وابستہ تحریک کے حوالے سے نہرو کے وژن کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کے مقابلے میں تکثیریت کی نمائندگی کرنے والی کانگریس کی سیاسی جدوجہد کے تذکرہ سے کتابوں کو خالی کیا جا رہا ہے۔ گاندھی، امبیڈکر اور سردار پٹیل جیسے قد آور رہنماؤں کی فہرست میں ساورکر کا نام شامل ہو گیا ہے۔ اور مہاتما گاندھی کے قتل کے مجرم گوڈسے کا نام اور ساورکر سے ان کے مراسم کا کوئی تذکرہ بھی نہیں ہے۔

ساورکر کی شدید مسلم دشمنی، موجودہ حکومت کی ان سے شدید محبت کا ثبوت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نوعمری ہی میں ساورکر نے اپنے ہم جماعتی ساتھیوں کے ایک مظاہرہ کی قیادت کی تھی جنہوں نے محض گئو کشی کی افواہ کی بنیاد پر ایک مسجد پر سنگ باری کی تھی۔ پھر کیا تعجب ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی انہیں قومی ہیرو کے طور پر از سر نو زندہ نہ کرے، اور کیا ہی حیرت ہو کہ اس پارٹی کی لیڈران ''ایک دھکا اور دو'' جیسے نعروں سے مسجد شہید کریں۔

معروف مصنف پروفیسر ادتیہ مکھر جی ہندوتوا میں گولوالکر اور ہیڈ گیوار ے مقابلے میں ساورکر کی مدح سرائی کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ساورکر ہی دراصل ہندوتوا کا اساسی مفکر ہے، جسنے پترا بھومی اور پنیہ بھومی کا نظریہ پیش کیا اور بھارت بھومی میں پیدائش کو ہی بھارتی ہونے کی اساس محض بتایا۔ بعد کے مفکرین جیسے گولوالکر وغیرہ نے انہی خیالات کی بنیاد پر اپنے نظریات مرتب کئے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاریخ کے پروفیسر قیصر رضوان بتاتے ہیں کہ برطانوی دور حکومت میں ساورکر کو انڈمان بھیجنے کے واقعہ ایسا ہے جس کے استعمال سے ہی عام لوگوں کے ذہنوں میں جدوجہد آزادی کے حوالے سے ان کا تقدس پیدا کرنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہی واقعہ انہیں ویر ساورکر کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ دین دیال اپدھیائے کو بھی مجاہد آزادی کے روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ ایک شجر مردار ہی بنے رہے، جبکہ ساورکر گاندھی کے قاتلوں سے مراسم ہونے کے باوجود ایک ہیرو کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی حکومت نے ابھینو بھارت سوسائٹی کو پستول فراہم کرنے کے جرم میں ساورکر کو انڈمان جیل بھیجا، اور محض ایک ہی ماہ میں ساورکر نے اپنی رحم کی درخواست حکومت کو پیش کر دی۔ اپنی دیگر درخواستوں میں ساورکر نے معافی کے ساتھ خود کو انگریزی حکومت کا تائب بیٹا Prodigal Son کہا، اور حکومت برطانیہ سے وفاداری کے خوب وعدے بھی کئے۔ اور آج وہ ایک عظیم مجاہد آزادی کی طرح پیش کیا جا رہا ہے۔

اتنا ہی نہیں ساورکر ہی وہ شخص ہے جس نے ہندو اور مسلم قوموں کی عدم مطابقت کو بنیاد بتاتے ہوئے دوقومی نظریہ بھی پیش کیا۔ 1923 میں ہندو راشٹرا کے مطالبہ کے ذریعے ساورکر نے ملک کی تقسیم کے خیالات کے لئے راہوں کو ہموار کیا۔ پروفیسر مکھر جی کہتے ہیں کہ ہندوتوا فکر کی حامی ایک حکومت سے اس بات کی توقع کوئی حیرت انگیز امر نہیں کہ وہ ساورکر کو ہیرو بنا کر پیش کرے، لیکن گاندھی جیسے شخص کو منظر عام سے ہٹانا زیادہ تشویش ناک ہے، شاید گاندھی سے نفرت اس لئے کہ وہ ہندو ہوتے ہوئے بھی ہندوتوا کے حامی اور فرقہ پرست نہیں تھے۔ دہلی یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر چارو گپتا کے مطابق گاندھی کی شخصیت کو محض بدنام کرنا ہندوتوا کے لئے آسان نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک ہندو ہونے کے ساتھ ہی ہندوتوا کے مخالف بھی تھے اور دوسری طرف عدم تشدد کے حامی بھی۔ اکثر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ جدید مورخین نے ہندوتوا سے تعلق رکھنے والے مجاہدین کو تاریخ میں نمایاں نہیں کیا، پروفیسر مکھر جی کہتے ہیں ساورکر جیسے رحم کی بھیک مانگنے والے شخص کا آخر تاریخ میں کیا مقام ہو سکتا ہے۔

پروفیسر قیصر ان سب اقدامات کے باوجود پرامید انداز میں کہتے ہیں کہ تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کی مذموم کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ کچھ اوٹ پٹانگ لکھیں اور وہ تاریخ بن جائے ایسا ممکن نہیں ہے۔ درسی کتابوں کی اس تبدیلی سے دنیا بھر میں رائج تاریخ تو غلط نہیں ہو جائے گی، مستزاد یہ کہ گاندھی جی اور نہرو جیسے لوگوں کے خیالات اور تصانیف اور خیالات کا کیا۔ یہ دراصل ایک نظریاتی جنگ ہے جس میں اس طرح کی کوششوں کو بالآخر شکست ہو گی۔

کرکٹ، قومیت، پاکستان اور مسلمان

ابھے کمار

کس نے سوچا تھا کہ ہندستانی کرکٹ ٹیم منی ورلڈ کپ کے فائنل میں پاکستانی ٹیم کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گی، جس کو اس نے خود ہی ٹورنامنٹ کے آغاز میں بری طرح ہرایا تھا۔تبھی تو کرکٹ میں کسی طرح کی پیشین گوئی کرنا بیحد مشکل سمجھا جاتا ہے اور اس کھیل میں ہیرو کو زیرو بنتے ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔مگر ان ساری باتوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جارہا ہے اور فرقہ پرست سیاست سے متاثر عناصر کرکٹ کے پچ پر نفرت کا کھیل کھیل رہے ہیں۔

بھارت- پاکستان فائنل میچ کے فوراً بعد درجنوں مسلمانوں کے خلاف مقدمے درج کیے گئے ہیں اور ان میں سے بعض کی گرفتاری بھی عمل میں آچکی ہے۔اب تک کم از کم 17افراد کے خلاف ملک کے ساتھ غداری (sedition) کا الزام لگا یا جاچکا ہے۔مسلمانوں کی دھڑ پکڑ اترپردیش، مدھیہ پردیش، کرناٹک اور کیرل سمیت کئی ریاستوں میں ہوئی ہے۔ان پر الزام یہ ہے کہ انھوں نے پاکستانی ٹیم کی جیت کا جشن منایا اور نہ صرف پٹاخے چھوڑے بلکہ اسلام اور پاکستان حمایتی نعرے بھی بلند کیے۔ستم ظریفی دیکھئے کہ ان ریاستوں میں لیفٹ (Left) اور رائٹ (Right) دونوں نظریے کے حامل سرکاریں ہیں۔

کیا مسلمانوں کے خلاف یہ مقدمے اور ان کی گرفتاری فرقہ وارانہ سیاست سے متاثر نہیں ہے؟ جب انگریزی کے مشہور اخبار'انڈین ایکسپریس' (23 جون 2017) نے مدھیہ پردیش کے برہان پور کیس کے شکایت کنندہ **لکچھمن** کولی سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے صاف کہا کہ یہ سب اس نے پولیس کے دباؤ میں کیا تھا۔''میں نے پولیس سے شکایت نہیں کی تھی۔۔۔میں نے (پاکستان اور اسلام حمایتی) کوئی نعرے نہیں سنے اور نہ ہی میں نے پٹاخے چھوڑنے کی شکایت کی تھی۔جب سوموار کو میں پولیس تھانے گیا تھا تب پولیس نے مجھے گواہ بنادیا۔میں بیان دینے کے لیے تیار ہوں مگر میرا بیان صرف عدالت میں جج کے سامنے ہوگا۔مجھے ڈر ہے کہ پولیس مجھے پریشان کرے گی۔''

میچ سے قبل ہی سوشل میڈیا پر پاکستان کے خلاف جم کر بھڑاس نکالا جارہا تھا، جس کی زبان اور لہجہ بھی بیحد بھڑکاؤ تھی۔''باپ (بھارت) بیٹا (پاکستان) کی اوقات بتادے گا۔'' کیا اس طرح کی حرکت کسی بھی جمہوری ملک میں قابل قبول ہے؟ کیا کسی ٹیم کے کھیل کی تعریف کے لیے شائقین کو غدار وطن قرار دیا جانا ٹھیک ہے؟ کیا آپ نے سنا ہے کہ انگلینڈ میں مقیم ہندستانیوں کو کبھی سچن، دھونی اور کوہلی کی بیٹنگ پر تالی بجانے کی وجہ سے وہاں کی پولیس نے گرفتار کیا ہے؟

اب فائنل میچ کو ہی لے لیجئے جب ہندستان کے ٹاپ بلے باز جلدی جلدی پویلین لوٹ رہے تھے تو ایک شخص نے پوربی زبان میں ہماری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''رمضان میں ہروادیئے نا انڈیا کو''۔رمضان کا بھارت کی شکست سے کیا تعلق ہے؟ اصل میں یہ تبصرہ میرے ساتھ بیٹھے کچھ مسلم دوستوں پر تھا، مگر اسے کیا خبر تھی کہ انھی میں بریلی کا ایک مسلم ساتھی ایسا بھی تھا جو ہندستان کی جیت کو لے کر اس وقت بھی پرامید تھا اور اپنے موبائل میں میچ دیکھ رہا تھا جب کئی شائقین بھارت کے بلے بازوں کے مظاہرے سے مایوس ہوکر اپنے اپنے ٹی وی سیٹ بند کر لیے تھے۔

اس طرح کی بے تکی بات شارجہ ٹورنامنٹ کے دوران بھی سالوں پہلے سننے کو ملتی تھی، جب کچھ تنگ نظر لوگ یہ کہتے تھے کہ ہندستانی ٹیم پاکستان سے میچ اس لیے ہار جاتی تھی کیونکہ یہ میچ اکثر جمعہ کے دن منعقد ہوتا تھا۔جمعہ سے بھارت کی شکست کا کیا رشتہ ہے؟ ان

کو کون سمجھائے کہ جمعہ کے دن میچ اس لیے منعقد کیا جاتا کہ زیادہ سے زیادہ شائقین میچ دیکھنے آئیں اور اس سے منتظمین کی موٹی کمائی ہو سکے۔

اس طرح کے پروپیگنڈے سے 36 سالہ آٹو رکشہ ڈرائیور ابرار بھی بیزار نظر آتا ہے۔''اگر انڈیا فائنل ہار گئی تو اس میں مسلمانوں کا کیا قصور ہے؟'' ابرار کی جھلاہٹ نہ صرف اس کی آواز بلکہ گاڑی کے شیشے میں دکھ رہے اس کے چہرے سے بھی صاف عیاں تھی۔ مغربی اتر پردیش کے دادری کا باشندہ ابرار دلی میں روزانہ آٹو چلا کر روزی روٹی کماتا ہے اور یہ سب باتیں مجھے ان کی گاڑی میں سواری کے دوران کچھ دن پہلے سننے کو ملیں۔ ابرار نے آگے کہا کہ ''پاکستان اس لیے جیتا کہ اس نے محنت بہت کی تھی۔ اس جیت میں مسلمان کہاں سے آ گئے!''۔ ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستان سے جوڑنا فرقہ پرست طاقتوں کی پرانی سازش رہی ہے۔ پچاس سال پہلے ہندوتو کے بڑے نظریہ ساز نے اپنی ایک کتاب میں ہندستانی مسلمانوں کو پاکستانی 'ایجنٹ' تک کہہ ڈالا اور انھیں ملک کی سالمیت کے داخلی خطرہ (internal threats) قرار دیا۔

فرقہ وارانہ ڈسکورس کی تاثیر دیکھئے کہ جب تک پاکستان کو آپ برا بھلا نہ کہیں تب تک آپ 'سچے' دیش بھکت نہیں قرار دیے جا سکتے۔ اگر آپ مسلمان ہیں تو پاکستان کے خلاف آپ کو کچھ زیادہ ہی تلخی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا تبھی آپ کو محب وطن مانا جائے گا۔ اس ڈسکورس نے کچھ حد تک نئی نسل کے ذہن و دماغ کو بھی آلودہ کر دیا ہے۔ کچھ مہینے قبل جب اپنے گاؤں میں بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا اور مذاق ہی مذاق میں ایک بار بول دیا کہ ''میں پاکستانی بالر ہوں''، تو ردعمل کے طور پر ان میں سے ایک بچے نے میری گیند پر بڑی زور سے ہٹ کیا اور کہا ''جا پاکستانی گیند اٹھا''۔ اس بچے کے حقارت بھرے لہجے نے مجھے بری طرح جھنجھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ میں اپنے گاؤں کے کچھ بچوں کو پڑھا رہا تھا اور ایسے ہی پوچھ لیا کہ آپ پڑھ لکھ کر کیا بننا چاہتے ہیں تو ان میں سے ایک کہا کہ ''فوج میں بھرتی ہونا ہے'' اور ''دیش کے دشمنوں کو مار گرانا ہے'' جب پوچھا کہ دیش کا دشمن کون ہے؟ تو اس نے جواب دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور کہا ''پاکستان''۔

کیا پاکستان ہمارے ملک کی تمام پریشانیوں کا ذمہ دار ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جتنے لوگ ہند- پاک جنگ میں نہیں مرے اس سے کہیں زیادہ لوگ غریبی، بھکمری اور علاج کے فقدان کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے ہیں۔ بھگوا شدت پسند عناصر اپنے سیاسی مفاد کے لیے پاکستان، مسلمان اور اسلام کے واضح فرق کو مٹا دیتے ہیں۔ ان کو کون سمجھائے کہ دنیا میں پاکستان سمیت پچاس سے زائد مسلم اکثریت ممالک ہیں اور ان میں وقتاً فوقتاً تعاون اور اختلاف دونوں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اسی طرح مذہب کی بنیاد پر پاکستان سے ہندستانی مسلمانوں کو جوڑنا بھی سراسر غلط ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک بڑی تعداد میں ہندستانی مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کی سخت مخالفت کی تھی؟ کیا ہندستان کی سب سے بڑی مذہبی اور سماجی مسلم تنظیم میں سے ایک جمعیۃ علمائے ہند نے جناح اور ان کی مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی تھی؟ کیا جمعیت علمائے ہند نے تحریک آزادی میں کانگریس کے دوش بدوش حصہ نہیں لیا تھا؟ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اب ان سارے پہلوؤں کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے، جو کہ ملک کی جمہوری اقدار اور فرقہ وارانہ تانے بانے کے لیے بے حد نقصاندہ ہے۔

وطن

گاندھی کا فلسفہ تعلیم

اور عصرِ حاضر میں اس کی معنویت

• طلحہ منان

تاریخ میں کم ہی شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے خیالات میں وقت اور تجربہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ اتنی تبدیلی اور پختگی آئی جتنی گاندھی جی کے افکار و خیالات میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ دنیا کے زیادہ تر لوگ انہیں ایک بہترین سیاستداں اور سماجی کارکن کے طور پر جانتے ہیں لیکن ان کا ماننا تھا کہ معاشرے کی ترقی اور اس کی تشکیل نو میں تعلیم کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ اسی لئے انہوں نے تعلیمی میدان میں بھی اپنی خدمات انجام دیں۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے تھے جس میں مذہب اور ذات کے نام پر لوگوں کو نہ ستایا جاتا ہو، جس میں سبھی مذاہب اور برادریوں کے لوگ سکون سے رہ سکیں اور طاقتور لوگ کمزور لوگوں پر ظلم نہ کریں۔ لیکن ایسا معاشرہ تعلیمی بیداری کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا، اسی لیے گاندھی جی نے تعلیم کے مقاصد اور اس کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کا فلسفہ تعلیم انہیں ایک بہترین ماہر تعلیم کے طور پر پیش کرتا ہے۔ آج جو پرائمری ایجوکیشن ہم اپنے اسکولوں میں دیکھ رہے ہیں، یہ گاندھی جی کے فلسفہ تعلیم کا ہی ایک حصہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں اپنے بچوں کو 3H یعنی (Hand, Heart, Head) کی تعلیم دینا چاہیے تاکہ وہ خود پر منحصر ہو کر ملک و ملت کے کام آ سکیں۔

گاندھی جی تعلیم کو 'خوبصورت درخت' سے تعبیر کرتے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ گاندھی جی نے ہندوستان کی تعلیم کے بارے میں جو کچھ پڑھا تھا، اس سے انہوں نے یہ اخذ کیا کہ ہندوستان میں تعلیم حکومتوں کے بجائے معاشرے کے تابع ہے۔ لیکن 20 اکتوبر 1931 کو لندن کے Chatham House میں انہوں ایک لیکچر کے دوران کہا تھا: ''میں بنا کسی ڈر کے کہتا ہوں کہ آج ہندوستان کے لوگ اس سے کم پڑھے لکھے ہیں جتنے کہ وہ آج سے پچاس یا سو برس پہلے تھے کیونکہ جب انگریز حکمراں ہندوستان آئے تو انہوں نے یہاں کی چیزوں کو، جیسے وہ پہلے تھیں، ویسے ہی سنبھالنے کے بجائے ان کی جڑوں کو کھودنا شروع کر دیا اور تعلیم کے خوبصورت درخت' کو مٹا دیا۔ انہوں نے اسکولوں کے پرانے تعلیمی نصاب کو ختم کر کے یورپین تعلیمی نصاب نافذ کیا جو کہ ہندوستانیوں کے لئے خاصا مہنگا ثابت ہوا۔

گاندھی جی کے فلسفہ تعلیم کے بنیادی اصول:

گاندھی جی کے مطابق تعلیم کا مطلب-انسان کے جسم، دماغ اور روح میں پائی جانے والی بہترین خصوصیات کو پہچان کر انہیں قابل بنانا ہے۔لہٰذا انسان کے شخصی ارتقاء کیلئے اس کے جسمانی، ذہنی اور روحانی ترقی ہی تعلیم کا مقصد ہے۔ان کے فلسفہ تعلیم کے بنیادی اصول یہ ہیں: (1)7 سے 14 سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیمی دی جائے۔(2)تعلیم کا ذریعہ مادری زبان ہو۔(3) خواندگی کو تعلیم نہیں کہا جا سکتا۔(4)تعلیم کا مقصد بچوں کی ہمہ جہتی ارتقا ہو۔(5)تعلیم ایسی ہو جس سے بچوں کے جسم، دل اور دماغ کی ترقی ہو اور روحانی طور پر بھی انہیں بہتر بنایا جائے۔(6) تمام موضوعات کے ساتھ مقامی پیداوار اور وہاں کی صنعتوں کے بارے میں بھی تعلیم دی جائے۔(7)تعلیم ایسی ہو جو نوجوانوں کو بے روزگاری سے آزاد کر سکے۔

گاندھی جی کے فلسفہ تعلیم کے مقاصد:

گاندھی جی نے تعلیم حاصل کرنے کے مقاصد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: تعلیم کے فوری مقاصد اور تعلیم کے اعلیٰ مقاصد، جنہیں باقاعدہ تعلیم کے ذریعہ جلد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح ہیں: (1) روزی روٹی کمانے کا مقصد: گاندھی جی کے مطابق تعلیم ایسی ہو جو اقتصادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ تاکہ طلباء خود کفیل بن سکیں اور بے روزگاری سے آزاد ہوں۔(2) ثقافتی مقصد: گاندھی جی نے ثقافت کو تعلیم کی بنیاد سمجھا۔ان کے مطابق انسان کے رویے میں ثقافت کی عکاسی ہونی چاہیے۔(3)مکمل ترقی کا مقصد: گاندھی جی کے مطابق اصل تعلیم وہ ہے جس کے ذریعے بچوں کی جسمانی، ذہنی اور روحانی ترقی ہو سکے۔(4) اخلاقی ترقی: گاندھی جی نے اخلاقی ترقی کو بھی تعلیم کی بنیاد مانا ہے۔ان کے مطابق تعلیم ایسی ہو جو بچوں میں اخلاقیات کو پروان چڑھائے۔(5)نجات کا مقصد: گاندھی جی کا ماننا تھا کہ خدا کو جاننے کا راستہ صرف تعلیم ہے۔ تعلیم ہی ہمیں تمام خود ساختہ بیڑیوں سے نجات دلاتی ہے۔لہٰذا انہوں نے انسانوں کا انسانوں کی غلامی سے نجات کا طریقہ تعلیم کو بتایا۔

گاندھی جی اسکولوں میں مذہبی تعلیم دینے کے خلاف تھے کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ اسکولوں میں مذہبی تعلیم دینے سے طلبہ کے اندر آپسی انتشار پھیلنے کا ڈر ہوتا ہے۔

گاندھی جی کی بنیادی تعلیم کے بارے میں رائے: بنیادی تعلیم ہندوستانیوں کے لئے مہاتما گاندھی کا آخری اور سب سے بڑا تحفہ ہے۔ 1937 میں گاندھی جی نے وردھا میں ہو رہے آل انڈیا قومی تعلیمی کانفرنس' جسے وردھا تعلیم کانفرنس' کہا جاتا ہے کے موقع پر، میں اپنی بنیادی تعلیم کی نئی منصوبہ بندی کو پیش کیا جو میٹرک تک انگریزی مبرا اور صنعتوں کی تعلیم پر مبنی تھی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اس وقت کے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں ذاکر حسین کمیٹی' بنائی گئی اور گاندھی جی کی تعلیم سے متعلق رائے اور کانفرنس کی طرف سے منظور شدہ قراردادوں کی بنیاد پر نئی تعلیم' (بنیادی تعلیم) کی منصوبہ بندی تیار کی گئی۔ 1938 میں ہری پور کے اجلاس نے اس رپورٹ کو منظوری دی۔ جو کہ وردھا تعلیم منصوبہ بندی' کے نام سے مشہور ہوئی اور آج یہ ابتدائی تعلیم کی بنیاد ہے۔

بنیادی تعلیم کی خصوصیات:

(1) بنیادی تعلیم کے نصاب کی مدت 7 سال ہوگی۔(2)7 سے 14 سال کے بچوں کو مفت اور لازمی بنیادی تعلیم دی جائے گی۔(3)تعلیم کا ذریعہ مادری زبان ہوگی۔ ہندی زبان کا مطالعہ طلباء کے لئے لازمی ہوگا۔(4) طلباء کو منتخب کردہ کرافٹ کی تعلیم دے کر اچھا کاریگر بنایا جائے گا تاکہ وہ خود مختار بن سکیں۔(5) کرافٹ کی تعلیم اس طرح دی جائے گی کہ بچے اس کی سماجی اور سائنسی اہمیت کو سمجھ سکیں۔(6) جسمانی مشقت کو اہمیت دی جائے گی تاکہ طلبہ سیکھے ہوئے دستکاری یا کرافٹ سے روزی روٹی کما سکیں۔(7)تعلیم بچوں کی زندگی، گھر، گاؤں، دیہی صنعتوں اور کاروبار سے گہرے طور پر متعلق ہوگی۔(8)طلباء و طالبات کے لئے یکساں نصاب رکھا جائے گا۔(9) چھٹی اور ساتویں کلاس میں طالبات بنیادی کرافٹ کے طور پر امور خانہ داری لے سکتی ہیں۔(10)چونکہ گاندھی جی انگریزی تہذیب کے مخالف تھے اس لئے انہوں نے نصاب میں انگریزی شامل کرنے سے گریز کیا۔

بنیادی تعلیم قومی تہذیب و ثقافت کے قریب تھی ساتھ ہی ساتھ سبھی لوگوں کی زندگی کے بنیادی کاروبار سے جڑی ہوئی تھی۔علاوہ ازیں، سیکھے ہوئے بنیادی دستکاری کے ذریعہ انسان اپنی زندگی کے لئے روزی کا انتظام کر سکتا تھا۔لہٰذا یہ تعلیم ہماری زندگی کی بنیاد سے جڑی ہوئی تھی اسی لئے اس کا نام بنیادی تعلیم رکھا گیا۔

گاندھی جی نے بنیادی تعلیم کے نصاب کے تحت بنیادی دستکاری جیسے: زراعت، کتائی بنائی، لکڑی، چمڑے، مٹی کا کام، جلد سازی، کاشتکاری، پھل اور سبزی کی باغبانی، لڑکیوں کے لئے امور خانہ داری اور اس کے علاوہ مادری زبان، ریاضی، معاشرتی علوم، سائنس، آرٹ، ہندی اور جسمانی تعلیم وغیرہ رکھا۔تعلیم کے طریقہ کار کو تعلیم کے اصل کام اعمال اور تجربات پر بنیادی طور پر دھیان دیا۔ان کے مطابق تعلیم کا طریقہ کار عملی ہونا چاہیے۔ بچوں کو مختلف موضوعات کی تعلیم کسی بنیادی کرافٹ کے ذریعے دی جائے۔ تجربہ اور پریکٹیکل کے ذریعہ سیکھنے پر زور دیا گیا۔انہوں نے طلباء کو تمام موضوعات کی تعلیم کسی کام یا دستکاری کے ذریعہ دی۔

گاندھی جی کے تعلیمی نظریات کا موجودہ تناظر میں تجزیہ کیا جائے تو اس حقیقت پر پہنچتے ہیں کہ گاندھی جی کا فلسفہ تعلیم موجودہ تناظر میں بھی کھرا اترتا ہے۔سب سے پہلے گاندھی جی کی طرف سے ہندوستان کے لوگوں کی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماحول کے مطابق ایسا تعلیمی منصوبہ پیش کیا گیا جس کو زمینی طور پر نافذ کرنے میں ہندوستانی معاشرے میں ایک نئی زندگی آنے کا امکان ہے۔گاندھی جی دل سے آدرش وادی تھے کیونکہ وہ زندگی کے آخری مقصد اور سچائی کو حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔گاندھی جی کو ایک پریکٹیکل انسان بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ طلباء کی دلچسپی کا خاص خیال رکھتے تھے اور وہ بچے کو اس کی فطرت کے مطابق تیار کرنا چاہتے تھے۔گاندھی جی کے دیئے ہوئے تعلیم کے اصولوں کی (جیسے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم دی جائے) آج بھی اتنی ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کے تمام حصوں میں تعلیمی بیداری کیلئے کئی طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ Right to Education اسی کوشش کا ایک حصہ ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے تعلیم سے فیض یاب ہو سکیں۔فی الحال ہم دیکھتے ہیں کہ آج نوجوانوں کے پاس کئی طرح کی ڈگریاں ہیں لیکن روزگار نہیں ہے۔گاندھی جی نے بہت سال پہلے ہی اس مسئلہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور انہوں نے بنیادی تعلیم کے تحت صنعتوں پر مبنی تعلیم پر زور دیا تاکہ بچے کسی نہ کسی دستکاری کو سیکھ کر خود کفیل بن سکیں اور بے روزگاری سے نجات حاصل کر سکیں۔فی الحال عملی تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے۔گاندھی جی بچوں میں اخلاقی نشوونما اور کردار سازی پر زور دیتے تھے۔جس کی ضرورت آج بھی ہے کیونکہ آج دنیا بھر میں جو تباہی و بربادی پھیل رہی ہے وہ انسانوں میں انسانیت کی کمی کی وجہ سے ہے۔گاندھی جی نے ہر کام کو تجربہ سے سیکھنے پر زور دیا جو کہ آج بھی اتنا ہی ضروری ہے کیونکہ خود کر کے سیکھنے پر، سیکھا ہوا علم مستقل ہوتا ہے جو ہر علاقے کے لئے ضروری ہے۔گاندھی جی نے جسمانی محنت کا احترام کیا۔ان کے مطابق انسان کو اپنا کام خود کرنا چاہئے۔کسی پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ساتھ ہی ساتھ اس سے امتیازی سلوک بھی مٹتا ہے۔جو آج کے تناظر میں بھی ضروری ہے۔

فکر

وی ایچ پی، مودی اور گجرات فسادات

شبیع الزماں

(گذشتہ سے پیوستہ)

سنگھ پریوار کی ذیلی تنظیموں میں سب سے زیادہ کامیاب تجربہ بی جے پی کے بعد وی ایچ پی کا ہی رہا۔ وی ایچ پی کی بنیاد ۱۹۶۴ میں رکھی گئی تھی۔ اس اگست میں تنظیم نے اپنے قیام کے ۵۴ سال مکمل کر لیے۔ وی ایچ پی کے قیام کا بنیادی مقصد ہندو دھرم کی حفاظت کی لیے ہندوؤں کو بیدار کرنا، انھیں جمع کرنا اور منظم کرنا قرار پایا۔ سوامی چمنیا نندا ہندو سماج کا بہت بڑا مذہبی گرو اور مبلغ رہا جس نے چمنیا مشن کی بنیاد رکھی تھی اس مشن کا مقصد دنیا میں ادویتا دیدانتا (اپنیشد میں موجود وحدت الوجود کی تعلیمات) کو عام کرنا ہے۔ چمنیا قدیم ہندو کتابیں، بھگوت گیتا وغیرہ پر غیر معمولی عبور رکھتا تھا ۱۹۵۱ سے وہ پوری دنیا میں ہندوازم کے روحانی پیغام اور کلچر کو پھیلانے کے لیے کام کر رہا تھا جس کے لیے اس نے یورپ، امریکہ، اور دیگر دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں اپنا نیٹ ورک کر رکھا تھا۔ دنیا بھر میں ۳۰۰ سے زیادہ مقامات پر چمنیا مشن کے سنٹرس موجود ہے۔ دنیا کی تقریباً سبھی بڑی یونیورسٹیوں میں اسکے لکچر ہو چکے ہیں۔ چمنیا سخت کوشی اور سادی زندگی کا عادی تھا۔ وہ صبح ۳ بجے اٹھ کر گنگا کے برفیلے پانی میں اسنان کرتا تھا۔ اور رات دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ویدا کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ہمالیہ کے دامن میں گمنانی میں گزارا۔ ۱۹۵۱ میں اپنے استاد کی ایماء پر چمنیا گمنامی کی زندگی سے نکل کر عوامی زندگی میں ہندو مذہب کی تبلیغ کی لیے آیا۔ چمنیا نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور دیکھا کہ ہندو مذہب صرف خواص (برہمنوں) تک محدود ہے عوام کی اس سے کوئی واقفیت نہیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ ہندو مذہب کو عوامی سطح پر پھیلانے کے لیے وہ اپنی زندگی وقف کرے گا۔ چنیما کی محنت، ذہانت اور علم کی بدولت وہ بہت جلد پورے ہندوستان میں مقبول ہو گیا۔ ۱۹۵۶ میں اسکی جنایا جنا کا افتتاح ہندوستان کے صدر راجندر پرساد نے کیا۔ ۱۹۶۵ میں اس نے ۱۸ ملکوں میں ۳۹ شہروں کا دورہ کیا۔ جس میں تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، جاپان، ملیشیا، امریکہ، میکسیکو، اسپین، برطانیہ، بلجیم، نیدرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک وغیرہ شامل تھے۔

چمنیا چاہتا تھا کہ ہندوؤں کی کوئی عالمی تنظیم ہو جو انکے مذہب اور کلچر کا تحفظ کرے۔ دوسری طرف سنگھی لیڈر دادا صاحب آپٹے جو وکالت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان سماچار نامی نیوز ایجنسی چلاتا تھا، وہ بھی ہندوؤں کی بین الاقوامی تنظیم کے قیام پر غور کر رہا تھا۔ آپٹے اور چمنیا نے مل کر گولوالکر کے سامنے وی ایچ پی کا نقشہ رکھا۔ چمنیا نے ایک بین الاقوامی کانفرنس اس مقصد کے لیے بلائی جس میں دنیا بھر کے ہندو رہنماؤں نے شرکت کی اور اس طرح ہندو مذہب اور کلچر کے تحفظ کے لیے ایک دہشت گرد تنظیم وشو ہندو پریشد کا قیام عمل میں آیا۔ چمنیا کے علاوہ مہاراشٹرا کے مشہور رشی تکڑوجی مہاراج، کرن سنگھ، جین مذہب سے سشیل منی اور امن کے انعام یافتہ دلائی لامہ بھی اس دہشت گرد تنظیم کے قیام کے وقت موجود تھے۔ ۱۹۶۶ کے کمبھ میلے میں اس کے قیام کا باضابطہ اعلان کیا گیا اور یہ طے پایا کہ کوئی سیاسی قائد کبھی بھی وی ایچ پی کا حصہ نہیں بن سکتا۔ جس میں سکھ، جین، بدھسٹ، ہندو تمام ہی ہندوستانی مذہبوں کے نمائندہ موجود تھے۔ آپٹے نے وی ایچ پی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ آج دنیا مسلم، عیسائی اور کمیونسٹوں کے درمیان تقسیم ہو چکی ہے اور یہ سب ہندوؤں کو نرم چارہ کے طور پر نگل رہے۔ اس تصادم کے دور میں اب وقت آچکا ہے کہ ہندو سماج بھی جاگے اور اپنے تحفظ کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اس طرح وی ایچ پی قائم کی گئی۔ چمنیا کو صدر بنایا گیا اور آپٹے کو جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ چمنیا کی ان ہی خدمات کی بدولت وزیر اعظم نریندر مودی نے ۸ مئی ۲۰۰۸ کو (commemorative coin) یادگار سکہ جاری کیا۔

وی ایچ پی ہندوں میں بڑے پیمانے پر خدمت خلق کے کام بھی کرتی ہے۔ میڈیکل، تعلیم، روزگار میں اسکے ہزاروں پروجیکٹس چل رہے ہیں۔ وی ایچ پی کی شاخیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ امریکہ، کناڈا، یوکے، جرمنی، نیدرلینڈ، افریقہ، سری لنکا، نیپال وغیرہ ملکوں میں اس کے لوگ کام کر رہے ہیں۔ وی ایچ پی سوشل ورک کے علاوہ ہندوؤں کے ایسے جذباتی مسائل کو اٹھاتی رہتی ہے جس کا راست فائدہ بی جے پی کو انتخابات میں ہو۔ سوشل سروس کے علاوہ ہندوستان میں مندروں کی تعمیر، ذات پات کے نظام کی مخالفت، گائے کی رکشا، تبدیلی مذہب کی مخالفت اور رام مندر کی تعمیر یہ اس کے بنیادی مقاصد ہیں۔ برگد کا پیڑ وی ایچ پی کا logo ہے۔ وی ایچ پی کا زیادہ کام قبائلی علاقوں، دیہاتوں، کم پڑھے لکھے لوگوں اور آدیواسیوں میں ہے۔ بنیادی طور پر وی ایچ پی سادھوں اور سنتوں کی پارٹی ہے۔ جو ٹھیٹھ مذہبی بنیادوں پر چلتی ہے۔ اس کا نعرہ ہے دھرم اس کے حفاظت کرنے والوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بابری مسجد شہادت کے مومنٹ میں سب سے اہم کردار وی ایچ پی کا ہی رہا۔ ۱۹۸۴ میں ایکتما یاترا کی غیر معمولی کامیابی کے بعد وی ایچ پی کے حوصلہ بہت بلند ہو گئے۔ ابتداء میں وی ایچ پی صاف طور پر ہتھیار

اٹھانے کی بات نہیں کرتی تھی۔لیکن وی ایچ پی جب سے سیاست میں بی جے پی کی ووٹ مانگنے لگی تب سے وہ انتہا پسند طریقوں کو اپنانے لگی۔وی ایچ پی کئی لیڈر بی جے پی کے ایم پی بھی رہے جیسے اوما بھارتی، مرلی منوہر جوشی، ونے کٹیار وغیرہ۔

فی الوقت سنجیو مشترا اس کا صدر اور پروین توگڑیا کارگزار صدر ہے۔توگڑیا احمد آباد کا رہنے والا ہے اور پیشہ سے ڈاکٹر ہے۔توگڑیا ۱۰ سال کی عمر سے ہی آر ایس ایس سے وابستہ ہوگیا تھا۔آر ایس ایس میں مودی اور توگڑیا ساتھ ہی تھے اور اسی زمانہ سے دونوں میں گہری دوستی پائی جاتی تھی۔ دونوں سنگھ کے مبلغ تھے۔ اور ایک ہی گاڑی پر ساتھ گھوما کرتے تھے۔سنگھ نے وی ایچ پی کو مضبوط کرنے کے لئے ۱۹۸۳ میں توگڑیا کو فارغ کیا اور مودی کو ۱۹۸۴ میں بی جے پی کے لئے۔اس وقت بھی دونوں کی دوستی بہت گہری تھی۔توگڑیا بہت جلد وی ایچ پی کا جنرل سکریٹری بن گیا۔اس کے باوجود گجرات میں اس کی دلچسپی باقی رہی۔وہ دور اڈوانی کی بدنام خونی یاترا کا دور تھا۔مودی اس وقت گجرات، بی جے پی کا تنظیمی سکریٹری تھا،اس کی ذمہ داری تھی کہ اڈوانی کا رتھ بہ حفاظت اور کامیابی کے ساتھ گجرات سے گزرے زیادہ سے زیادہ لوگ یاترا میں شامل ہوتا کی دوسری ریاستوں میں بھی اسکے اثرات پڑے۔یہ وہ دور تھا جب گجرات سیاسی ہندوتوا کے لیے لیبارٹری بن رہا تھا۔ یاترا مودی کے لیے ایک سیاسی سیڑھی ثابت ہوئی۔مودی ریاست میں سنگھ کے مضبوط سپاہی کے طور پر ابھرا۔ریلی کی کامیابی کی بدولت بی جے پی کو گجرات اسمبلی میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔بی جے پی نے ۶۷ سیٹ جیت کر جنتا دل گجرات کے ساتھ مل کر سرکار بنالی۔لیکن یہ حکومت چل نہیں پائی جنتا دل بہت جلد کانگریس میں ضم ہوگئی۔لیکن یہ بات واضح تھی کی گجرات میں مستقبل بی جے پی کا تھا۔اور مودی اس کا ابھرتا ہوا نیتا تھا۔اگلے الیکشن میں مودی کو گجرات بی جے پی کی الیکشن مہم کا انچارج بنایا گیا۔اس بار بی جے پی نے دوتہائی سے زیادہ سیٹ حاصل کی،اسے ۱۸۱ میں سے ۱۲۱ سیٹ حاصل ہوئی۔ ۱۹ مارچ 1995 کو کیشو بھائی پٹیل نے گجرات کے پہلے بی جے پی وزیر اعلی کے طور پر حلف لیا۔لیکن بہت جلد بی جے پی party with diffrence سے party with diffrences ہوگئی۔شنکر سنگھ واگھیلا نے کیشو بھائی کے خلاف بغاوت کردی۔کیشو بھائی پٹیل کی حکومت میں مودی اور توگڑیا کور کمیٹی کے ممبر تھے۔کیشو بھائی پٹیل کی حکومت کے خلاف جب شنکر سنگھ واگھیلا نے بغاوت کی اور حکومت گرانی چاہی تو دونوں مل کر اس کی سخت مخالفت کی۔واگھیلا نے توگڑیا کو قید کردیا۔مودی نے اسکے خلاف جم کر آواز اٹھائی اور توگڑیا کی حمایت میں کئی دھرنے اور ریلیاں کی۔کیشو بھائی اور واگھیلا کے بیچ مصالحت کرائی گئی۔سریش مہتا کو چیف منسٹر بنایا گیا۔مودی کو پارٹی کمزور کرنے، سازشیں کرنے کے جرم میں گجرات سے باہر کرکے ہماچل اور ہریانہ میں بھیج دیا گیا۔یہ دور مودی کے لیے سیاسی سنیاس کا دور تھا اس کا دل گجرات میں ہی لگا تھا گجرات کا چیف منسٹر بننا اس کا خواب تھا۔

گجرات میں توگڑیا نے بہت ہی غیر معمولی قسم کے اثرات پیدا کیے، وہاں لاکھوں کی تعداد میں اس کے چاہنے والے موجود تھے۔توگڑیا نے بہت جلد وی ایچ پی میں اپنی مضبوط پکڑ بنالی، خاص طور سے گجرات میں توگڑیا کا طوطی بولتا تھا۔ دوسری طرف مودی ہریانہ اور ہماچل میں بھی ناکام ہوگیا۔ وہاں بھی پارٹی اس کی حرکتوں سے ناراض ہوگئی۔ مودی اپنی حیثیت منوانے کے لیے مستقل جدوجہد کررہا تھا۔ گجرات بی جے پی اس زمانہ میں بحرانی کیفیت سے گزر رہی تھی۔کانگریس کے طویل اقتدار کے بعد بی جے پی کو اقتدار نصیب ہوا تھا۔لیکن بی جے پی وہاں کوئی مضبوط حکومت قائم نہیں کر پا رہی تھی۔چار سال میں اسکے چار چیف منسٹر بدل چکے تھے۔بی جے پی کی گجرات میں حالت خراب تھی وہ میونسپل الیکشن ہار چکی تھی۔دوسری طرف گجرات زلزلہ کے ریلیف ورک میں حکومت کی ناکامی سے ریاست میں لوگ بڑے پیمانے پر بی جے پی سے بددل ہوگئے تھے۔بی جے پی کو ایک مضبوط انتظامی صلاحیت والے فرد کی ضرورت تھی۔ اڈوانی، واجپئی کے پاس مودی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔لیکن ریاستی بی جے پی مودی کو بطور چیف منسٹر قبول کرنے بالکل تیار نہیں تھی۔لیکن سنگھ اور توگڑیا کے کے زبردست دباؤ کے چلتے مودی کو وزیر اعلی بنایا گیا۔۷ اکتوبر ۲۰۰۱ کو مودی آزاد ہندوستان کا پہلا سنگھ پرچارک چیف منسٹر بنا۔مودی کے لیے یہ سفر آسان نہیں تھا۔مودی گجرات کے ایک چھوٹے سے گاؤں وڈنگر، ضلع مہسانا میں پلا بڑھا۔اس کا خاندان ایک غریب خاندان تھا۔ایک ایسی ریاست جہاں اعلی ذات کے دولت مند پٹیل اقتدار پر قابض ہوں، وہاں مودی جیسے او بی سی سے تعلق رکھنے والے شخص کا چیف منسٹر بن جانا ایک کارنامہ سے کم نہیں۔ مودی اتفاقی یا حادثاتی طور سے مودی کو گجرات کا وزیر اعلیٰ بنا تھا۔لیکن بہت جلد اس نے اپنی صلاحیتوں کے دم پر گجرات پر اپنے پکڑ بنالی۔مودی کو وزیر اعلی بنانے میں توگڑیا کی محنت تھی۔اس احسان کے بدلہ میں مودی نے بڑے پیمانہ پر توگڑیا کے حامیوں کو کیبینیٹ میں جگہ دی۔گوردھن زڈافیا جو توگڑیا کا خاص آدمی مانا جاتا تھا اس کو وزیر داخلہ بنایا گیا۔توگڑیا نے مودی حکومت کو ہندو راشٹر کی ابتداء قرار دیا۔گوردھن زفاڑیہ کو وزیر داخلہ بنانے کے پیچھے توگڑیا کے خاص مقاصد تھے توگڑیا گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی کی سازش کر رہا تھا۔

وزارت داخلہ ملنے کے بعد پولس آفیسر کی پوسٹنگ، ان کے تبادلہ اور ریاست کے داخلی امور سے متعلق تمام معاملات توگڑیا کے ہاتھوں میں آ گئے۔ وزیرات داخلہ پر مکمل کنٹرول کے بعد توگڑیا نے مکمل پلاننگ کے ذریعہ گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی کا کام کیا۔مودی کو وزیر اعلیٰ بنے ہوئے صرف پانچ مہینے ہوئے تھے کہ گودھرا میں ٹرین جلنے کا حادثہ ہوا جس میں ۵۸ ہندو کارسیوک جو ایودھیا سے لوٹ رہے تھے جل کر مر گئے۔اس کے بعد پوری ریاست میں منظم طور پر وی ایچ پی، بجرنگ دل اور پولس آفیسرس نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کا کام شروع کیا۔ ہزاروں مسلمان قتل ہوئے، عورتوں کی عصمت تار تار ہوئی، لاکھوں کروڑوں روپئے کی املاک کا نقصان ہوا۔گودھرا واقعہ کو بہانہ بنا کر وی ایچ پی نے ریاست گیر بند کا اعلان کیا، سپریم کورٹ نے اس بند کو غیر دستوری قرار دیا۔اس کے باوجود ریاستی حکومت نے وی ایچ پی کو روکنے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی اور اس کو کھلم کھلا کارروائی کی اجازت دی۔نریندر مودی نے اس کو فرقہ وارانہ حملے کے بجائے پاکستان کا دہشت گردانہ حملہ قرار دیا اور الزام لگایا کہ پاکستان کی مدد مقامی مسلمانوں نے کی۔اس کے بعد پوری ریاست میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا۔ پولس پوری طرح سے وی ایچ پی اور بجرنگ دل کے غنڈوں کا تعاون کر رہی تھی۔ بلکہ پولس خود مسلمانوں کے تجارتی علاقے، اوران کے رہائشی علاقوں کے نقشے فسادیوں کو مہیا کروا رہی تھی۔وی ایچ پی کے غنڈے خاکی اور بھگوا کپڑے پہنے مختلف علاقوں میں ٹرکوں کے اندر ہتھیار لئے گھوم رہے تھے۔ وی ایچ پی اور بجرگ دَل کے غنڈوں نے ہزاروں لوگوں کو قتل کیا، سیکڑوں عورتوں کے ساتھ زِنا بالجبر کرنے کے بعد ان کو زندہ جلا دیا۔معصوم بچوں کو پیٹرول پینے پر مجبور کیا گیا پھر انھیں جلا دیا گیا۔حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر کر اس میں سے بچوں کو نکالا گیا پھر انھیں

نیزے کی نوک پر رکھ کر انھیں دکھایا گیا۔عورتوں کو ننگا کر کے سر بازار ان سے پریڈ کرائی گئی،عورتوں کے چہروں پر تیزاب ڈالے گئے ۔ ماں باپ کے سامنے ان کے بچوں کو زندہ جلایا گیا۔عورتوں پر ہونے والے مظالم کے بارے میں رینوں کھنّا لکھتی ہیں کہ جبراً انھیں برہنا کرنا، گینگ ریپ کرنا، کئی عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کرنا، شرم گاہوں میں ہتھیار ڈالنا، عورتوں کی چھاتیوں کو ہتھیاروں سے کاٹنا، ان کے پیٹ چیرنا، ان کے دوسرے مقامات کو چیرنا، عورتوں کے جسم پر ہندو علامتیں بنانا، زنا کے بعد زندہ جلا دینا اور چھوٹی بچیوں کے ساتھ دس دس لوگوں نے زنا بالجبر جیسے گھناؤنے اور انسانیت سوز حرکتیں کیں ۔ بیسٹ بیکری کیس میں گیارہ لوگوں کو زندہ جلایا گیا، بلقیس بانو کیس میں بلقیس بانو کا ریپ کرنے کے بعد ۱۴ لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا۔نرودہ پاٹیا بستی میں پانچ ہزار لوگوں نے پوری بستی کو گھیر کر جلا کر خاک کر دیا جس میں ۱۰۰ سے زیادہ مسلمان مارے گئے ۔اس طرح پورے گجرات میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی ۔ ایک اندازہ کے مطابق ۳۰۰ کے قریب درگاہیں، ۲۵۰ سے زیادہ مساجد ایک لاکھ گھر ۱۱۰۰ ہوٹل ۱۵۰۰۰ بزنس، ۵۰۰۰ گاڑیاں مسلمانوں کی تباہ و برباد ہوئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ فساد کرنے کے الزام میں ۳۲۹۵ مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ ۸۹۶۷ ہندو گرفتار ہوئے جس میں سے ۹۰ فیصد کو فوری ضمانت مل گئی حالانکہ ان پر قتل کے الزامات تھے۔جن پولس آفیسروں نے اپنے فرائض اچھی طرح سے انجام دئے سزا کے طور پر بعد میں ان کے ٹرانسفر کئے گئے ۔فسادات کو بڑھاوا دیتے ہوئے اس وقت بال ٹھاکرے نے شیوسینا کو خطاب کرتے ہوئے کہا: مسلمان اس ملک کے کینسر ہیں، کینسر ایسی بیماری ہے جو ٹھیک نہیں ہو سکتی اس کا آپریشن ہی کرنا پڑتا ہے۔اے ہندوؤں اپنے ہاتھوں میں ہتھیار لو اور کینسر کو جڑ سے ختم کر دو۔

پروین توگڑیا نے کہا ہندوؤں کی مخالفت کرنے والوں کو اسی طرح سزائے موت دی جائے گی ۔ گجرات لیباریٹری ٹیسٹ ہے جو دہلی میں بہت جلد دہرایا جائے گا۔ اگلے دو سالوں میں ملک ہندو راشٹر ہوگا اس کے بعد ہم ہندوستان کی تاریخ اور پاکستان کا جغرافیہ بدل دیں گے۔ وی ایچ پی کے اس زمانہ کے صدر اشوک سنگھل نے کہا گجرات ایک کامیاب تجربہ ہے جس کو بہت جلد پورے ملک میں دہرایا جائے گا۔نریندر مودی نے نسل کشی کو عمل اور ردعمل کہہ کر اس کا دفاع کیا۔ گجرات فسادات کے بعد اٹل بہاری واجپائی نریندر مودی سے سخت ناراض ہوا اور اس نے کہا کہ نریندر مودی نے راج دھرم کا پالن نہیں کیا۔اب مَیں دنیا میں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ اٹل بہاری واجپائی چاہتا تھا کہ مودی کو وزارت اعلیٰ سے بے دخل کر دیا جائے ۔لیکن آر ایس ایس اور اڈوانی کے تعاون کی وجہ سے مودی وزیر اعلیٰ بنا رہا۔دسمبر ۲۰۰۲ میں پھر سے گجرات میں انتخابات ہوئے ، اب نریندر مودی کی امیج ہندو ہردئے سمراٹ کی تھی ، ایک سخت گیر ہندوتوا وادی جس نے مسلمانوں کو سبق سکھایا۔ انتخابات میں وی ایچ پی اور توگڑیا نے جی توڑ کے مودی کی مدد کی ۔توگڑیا نے ایک مہینہ میں ۱۰۰ سے زیادہ ریلیاں مودی کے لئے کیں۔توگڑیا کی چرب زبانی اور فرقہ وارانہ تقریروں کی وجہ سے پورے گجرات میں ہندوتوا کی زبردست لہر چلی اور مودی الیکشن بآسانی جیت گیا۔ انتخابات جیتنے کے بعد مودی نے گووردھن زفاڑیہ سمیت وی ایچ پی کے تمام لوگوں کو کیبنیٹ سے نکال دیا۔توگڑیا کے کسی بھی آدمی کو کوئی عہدہ نہیں دیا گیا، مودی یہ صاف کر دینا چاہتا تھا اب کہ حکومت میں توگڑیا کا کسی بھی طرح کا عمل دخل نہیں ہوگا۔مودی نے سپریم کورٹ کے کہنے پر گجرات فسادات کے فائلس پھر سے کھلوائے ،اور اپنے لوگوں کو اس میں سے صاف طور بچا لیا توگڑیا کے خاص لوگوں پر کاروائیاں کیں، وی ایچ پی اور بجرنگ دل کے کارکنان کو بڑے پیمانے پر جیل بھجوایا۔اس وقت توگڑیا کو احساس ہوا کہ مودی نے اس کا استعمال کر کے اس کو پھینک دیا۔لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی کیونکہ مودی گجرات میں اپنا قد بہت اونچا کر چکا تھا۔ ۔مودی کی اپنی امیج سخت گیر ہندوتوا وادی کی تھی اس لئے اسے توگڑیا کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ توگڑیا نے کئی بار شکایت بھی کی کہ گجرات فسادات کا کریڈٹ مودی خود لے رہا ہے جب کہ مسلمانوں کا قتل عام اس کے لوگوں نے کیا۔

اڈوانی کے جناح کو سیکولر کہنے والے ریمارک پر وی ایچ پی نے اڈوانی کے خلاف پورے گجرات میں زبردست دھرنا آندولن کیا۔ مودی نے آندولن کو کچلنے کے لیے زبردست پولس فورس کا استعمال کیا اور وی ایچ پی کارکنوں کی زوردار پٹائی کی ۔ وہی وی ایچ پی کارکنان جنہوں نے کچھ دن پہلے مودی کی جیت کے لیے پورے گجرات میں زبردست مہم چلائی تھی آج اسی کے ہاتھوں بری طرح پیٹے گئے ۔اس واقعہ سے مودی اور توگڑیا آمنے سامنے ہو گئے ۔مودی نے گجرات میں تقریبا ۲۰۰ ایسے مندروں کو مسمار کیا جو اس کے ڈیولپمنٹ پلان کے بیچ میں آتے تھے ۔وی ایچ پی کا ایک مقصد مندوروں کی حفاظت اور انکی تعمیر بھی ہے۔اور ان میں اکثر مندر وی ایچ پی کے تعمیر کردہ تھے۔جس پر ایک بار پھر توگڑیا اور مودی آمنے سامنے آ گئے ۔توگڑیا نے اشتعال میں آ کر مودی کو مولانا مودی کا لقب دے دیا۔مودی کو سبق سکھانے کی لیے وی ایچ پی کے گوردھن زڈافیا اور کیشو پٹیل دونوں نے مل کر گجرات پریورتن پارٹی بنائی ۔اگلے انتخابات میں وی ایچ پی اور گجرات پریورتن پارٹی نے مل کر پورے گجرات میں مودی کے خلاف زبردست مہم چلائی لیکن پریورتن پارٹی کو زبردست شکست ہوئی اسکے کئی امیدوار اپنی ضمانت تک بچا سکے کیشو بھائی نے اپنی عزت بچالی لیکن پارٹی کا چناوی نشان کرکٹ بیٹ نہیں بچا پائے۔

مودی نے مسلمانوں کو قریب کرنے کے لئے سد بھاؤنا یاترا شروع کی جس پر مودی اور توگڑیا کے بیچ ٹھن گئی۔مودی نے اگلے پانچ سالوں میں توگڑیا کے اثرات گجرات میں تقریباً ختم کر دیئے۔حتی کہ ۲۰۰۷ کے انتخابات میں توگڑیا کے گجرات داخلہ پر بھی پابندی لگا دی۔انتخابات میں زہریلی اور دھواں دار تقریروں کے لئے مشہور توگڑیا کو خود اپنی ریاست جہاں اسکی اپنی زندگی گزری، آنے سے روک دیا گیا۔ جہاں کا چیف منسٹر اس کا سب سے قریبی دوست اور سنگھ کا ساتھی نریندر مودی تھا، جس کو اس مقام تک پہچانے کی لیے خود توگڑیا نے دن رات ایک کر دیے تھے۔مودی نے دھیرے دھیرے گجرات میں توگڑیا اور وی ایچ پی کو اتنا کمزور کر دیا کہ مودی کی لیے کوئی خطرہ نہیں رہے۔توگڑیا نے اپنی ڈوبتی ریاست بچانے کی بہت کوشش کی لیکن نریندر مودی کے سامنے اس کی دال نہ گلی۔اشوک سنگھل نے دونوں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی۔لیکن اسکے بعد بھی دونوں کے درمیان سرد جنگ جاری ہے اور توگڑیا مودی کو ٹارگٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا لیکن اب اس کی حیثیت دیوانے کی بڑ سے زیادہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اشوک سنگھل کی بیماری کی وجہ سے توگڑیا کو وی ایچ پی کا لیڈر منتخب کیا گیا۔توگڑیا اس کے بعد سے ملک میں زہریلی تقریریں کرتا ہے لیکن گجرات کا تجربہ پورے ملک میں دہرانے کا اس کا خواب ادھورا رہ گیا۔مودی کی سیاسی زندگی میں مودی نے لوگوں کو صرف استعمال کیا اور انھیں پھینک دیا،توگڑیا انھی میں سے ایک ہے۔ (جاری)

ڈارون کا نظریہ ارتقاء

ڈاکٹر صادق پرویز

جب مغرب ہر لحاظ سے علمی و نظریاتی امامت کر رہا تھا تب عقل و خرد کی دنیا میں میں مذاہب کو پس پشت ڈال دیا گیا اور علم کی واحد بنیاد تجربہ قرار پائی۔ اسی کے نتیجے میں خدا بیزار نظریہ زندگی والحاد کے لئے منطقی دلائل فراہم کئے گئے۔ اس وقت مغربی سائنس جس کی پشت پر خدا بیزار نظریہ زندگی کام کر رہا تھا کو ایک بڑا چیلنج درپیش ہوا۔ وہ چیلنج 'جانداروں کی دنیا' کی توجیہ تھی۔ مغربی سائنس نے اسی توجیہہ کے لئے نظریہ ارتقاء کو پیش کیا جس کو ۱۸۵۸ء میں Charles Darwin کے ہاتھوں مقبولیت حاصل ہوئی۔ جو پچھلے ۲۰۰ برس سے ملحدین اور اہل ایمان کے درمیان ایک موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

نظریۂ ارتقاء کا بنیادی نکتہ

نظریہ ارتقاء کے مطابق جتنے بھی جاندار اس وقت روئے زمین پہ پائے جاتے ہیں ان کی تخلیق پہلے سے موجود مختلف انواع (Prokoryates اور Anaerotic) سے ہوئی ہے اور یہ مختلف انواع جرثومہ خلقت کے اعتبار سے بہت ہی نازک وسادہ تھے۔ رفتہ رفتہ کئی نسلوں تک ان میں موروثی تبدیلی (Heredity Change) ہوتی گئی اور ان تبدیلیوں کے باعث موجودہ دور میں پائے جانے والے جانداروں کی تخلیق ہوئی۔ اس نظریہ کے مطابق تمام جاندار اپنے (Common Descent) کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور جانداروں کی مختلف انواع پائے جانے کا اصل عامل تغیر (Variation) ہے جو جانداروں کے اندر خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ وہی تغیرات آخر میں باقی رہ جاتے ہیں جن کے لئے ماحول سازگار ہوتا ہے اور یہ تغیرات جینیاتی سطح (Genotypic Level) پر ہوتا ہے۔

زندگی کے آغاز سے متعلق مختلف نظریات

(۱) Spontaneous Generation: اس نظریہ کے مطابق جانداروں کی تخلیق خود بخود غیر جاندار انواع سے ہوئی ہے۔ مصر کے خرافات کے دور (Mythological Era) میں یہ تصور عام تھا کہ دریائے نیل میں کیچڑ سوکھنے کے بعد مچھلی، سانپ وغیرہ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ ماننا تھا کہ مکھیاں گوشت کے ٹکڑے سے پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے اٹلی (Italy) کے ایک سائنس داں Francesco Redi نے ۱۶۸۰ء میں ایک تجربہ (Experiment) کے ذریعہ اس تصور کو غلط ثابت کیا۔ اس کے بعد Louis Pasteur's نے بھی یک لخت ظہور (Spontaneous Generation) کے نظریہ کی غلطی کو واضح کیا۔

(۲) Arrhenins:Cosmozoic Theory نے ۱۹۰۳ء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ جاندار کی تخلیق اس زمین پر نہیں ہوئی ہے۔ ان کی تخلیق دوسرے سیارہ (Planet) پر ہوئی ہے اور وہاں سے یہ اس خطہ زمین پر آئی ہے۔ یعنی ابتدائی جرثومہ حیات زمین پر فلک سے آیا تھا۔ Cosmozoic نظریہ کی کوئی دلیل موجود نہیں تھی اس لئے اس نظریہ کو خارج البحث ہونا پڑا۔

(۳) Lamarck:Lamarckism نے اپنی کتاب "Philoshophic Zoologique:" کے ذریعہ ۱۸۰۹ء میں اپنے نظریہ کی اشاعت کی۔

Lamarck نے اپنے نظریہ کی توجیہہ کے لئے چار نکات کا سہارا لیا۔

(۱) جسمانی بڑھوتری　　(۲) ماحول کے اثرات

(۳) کارآمد اور بے کار　　(۴) موروثی کردار

اس مفروضہ کے مطابق موجودہ ژراف (یعنی لمبی گردن) والے ژراف کا ارتقاء چھوٹی گردن والے ژراف سے ہوا ہے۔ یہ اول تو گھاس کو چرتے تھے۔ جب گھاس کی قلت (کمی) ہوئی تو انہوں نے پیڑوں کی پتیاں کھانے کی عادت ڈالی۔ اس عادت کی وجہ سے گردن لمبی ہوتی گئی۔ 'لے مارک' کا یہ نظریہ بھی اسی دور میں غلط ثابت ہوا۔

(۴) ڈارون کا نظریۂ ارتقاء

Charles Robert Darwin نے نظریۂ ارتقاء کے ثبوت کے لئے Natural Selection کا نظریہ تجویز کیا جو ڈارون کے نظریۂ ارتقاء سے بھی زیادہ معروف ہے۔ علمی مسلمات میں جب نظریۂ ارتقاء کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور یہ سوال اٹھائے گئے کہ جس طرح ہمیں دنیا میں کامل چیزیں مل جاتی ہیں اسی طرح مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی ناقص چیزیں بھی ملنا چاہئیں جو نہیں ملتیں۔ تب مغربی سائنس نے Darwin کا پیش کردہ Natural Selection ہی کا سہارا لیا ہے۔ اس وجہ سے ارتقائی سائنسدانوں کے لئے ڈارون کا نظریہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

نظریۂ ارتقاء کی کمزوریاں

☆روئے زمین پر پائے جانے والے مختلف انواع میں جو مشابہات پائی جاتی ہیں اصل میں سائنسدانوں کواس کی توجیح کرنے کی ضرورت تھی لیکن ان مشابہات کو دیکھ کر یہ دھوکہ ہوا کہ ایک نوع و دسری کسی قریبی نوع سے نکلی چلی آرہی ہے حالانکہ ان مشابہات سے یہ نتائج بھی اخذ ہوسکتے تھے کہ یہ کسی ایک ہی عظیم الشان کاریگر کی تخلیق کردہ انواع ہیں۔

☆Dr. Kent Hovind ایک امریکی Christian Creationist ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نظریہ ارتقاء بجائے خود ایک مذہب بن چکا ہے۔ Palactanology میں جتنے بھی Fossils دریافت ہوئے ہیں وہ اپنی اصل شکل میں دنیا میں کہیں نہ کہیں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں جس طرح کامل انواع مل جاتی ہے اسی طرح سے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی ناقص انواع کے اجسام بھی ملنا چاہئے۔ (یعنی درمیان میں بکثرت ایسی کڑیاں پائی جانی چاہئے جو ان میں سے ہر دو قریبی نوع کے بیچ فاصلہ طے کررہی ہوں۔ دوران فاصلہ میں ہر قدم پر ان درمیانی کڑیوں کے مختلف افراد ایک قافلے کی طرح آگے پیچھے ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ Dr. Kent Hovind نے نظریۂ ارتقاء کی ۱۰۰ کمزوریاں بتائی ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفعت صاحب مدیر زندگی نو (جون ۲۰۱۷) میں نظم کائنات کی توجیہہ اور اسٹیفن ہاکنگ کے خیالات کا جائزہ کے عنوان میں نظریۂ ارتقاء کی ۳ کمزوریاں بیان کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) یہ نظریہ حیات کی ابتدا کی توجیہہ نہیں کرتا اور نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ زندگی کی ابتداء کو اتفاقی قرار دیتا ہے (یا یہ خیال پیش کرتا ہے کہ ابتدائی جرثومہ حیات، زمین پر باہر کے اجرام فلکی سے آیا تھا، ظاہر ہے کہ اس خیال کے پیچھے کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۲) نظریہ ٔارتقاء کے مطابق اصل عامل تغیر ہے جو جانداروں کی اندرونی ساخت میں خودبخود ہوتا رہتا ہے اور وہ تغیرات بالآخر باقی رہ جاتے ہیں جن کے لئے ماحول سازگار ہوتا ہے۔ اگر بات یہی ہوتو جانداروں کی ساخت میں ترقی وتنوع کی کیفیت کے بجائے اس کے برعکس کیفیت بھی دیکھی جانی چاہئے۔لیکن ایسانہیں ہوتا۔

(۳) نظریۂ ارتقاء ایک نوع کے افراد میں ہر فرد میں ہونے والے تغیرات کا ذکر کرتا ہے۔ ایک نسل سے دوسری نسل میں ان تغیرات کی منتقلی، قانونِ توارث کے مطابق ہوتی ہے پھر ماحول سے سازگاری کرنے والے تغیرات کے بقا کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ توجیہہ طبعی ماحول سے متعلق ہے مگر اس سازگاری اور تعاونِ باہمی کی توجیہہ نہیں کرتی جو مختلف انواع کے مابین ہوتی ہے۔ انواع کے پورے مجموعے (Ecosystem) میں بحیثیت مجموعی توافق کی توجیہہ تو اسی وقت ممکن ہے جب یہ فرض کیا جائے کہ مختلف انواع کا ارتقاء ایک جیسے تغیرات کے نتیجے میں بیک وقت ہورہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مفروضہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔'' (بحوالہ زندگی نو، نئی دہلی)

اسلام کا نظریۂ تخلیق

اسلام تخلیق کا نظریہ پیش کرتا ہے قرآن کی رو سے دیکھا جائے تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتی ہیں۔لیکن یہ ارتقاء ایک قسم کے نوع سے دوسری قسم کی نوع کی تخلیق کا تصور نہیں پیش کرتا بلکہ قرآن بتاتا ہے کہ ایک ہی مخلوق ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتی ہے (یعنی یہ انسان ہی کا بچہ ہے جو ماں کے پیٹ میں مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا ۹ مہینہ میں کامل انسان ہی کی شکل میں دنیا میں آنکھ کھولتا ہے۔

قرآن کہتا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِين۔ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِين۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۔(۱۴-۱۲) ترجمہ: ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔

قرآن انسان کی تخلیق کے دو ادوار بیان کرتا ہے ایک وہ جب انسان زمین کے پیٹ سے پیدا ہوا اور دوسرا وہ جب انسان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیْ أَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِين۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِين۔ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلاً مَّا تَشْكُرُون۔ ترجمہ: جو چیز بھی اس نے بنائی، خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ واضح انداز میں انسان کی تخلیق کے دو ادوار کا ذکر کرتا ہے۔ ابتدائی دور وہ تھا جب اللہ تعالیٰ انسانیت کے مورث اعلیٰ آدمؑ کو گارے سے پیدا کیا اور دوسرا دور وہ ہے جس کو اللہ نے ماں کے اندر کارفرمایا۔ آج کی Molecular Science اس حقیقت کا انکشاف کرچکی ہے کہ انسان مختلف Elements ، Carbon ، Nitorgen، Oxygen، Hydrogen اور H_2O سے تخلیق ہوئی ہے اور اس میں پانی H_2O جو Hydrogen اور Oxygen کا مجموعہ ہے سب سے زیادہ اہم ہے۔

سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کی تخلیق پانی سے کی ہے، کا ذکر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَیْءٍ حَيٍّ۔ طترجمہ: اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔

اخلاقِ انسانی پہ نظریۂ ارتقاء کے اثرات

مولانا مودودیؒ اپنی کتاب تفہیمات حصہ ۲ میں ڈارون کا نظریہ ارتقاء کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ''علمی اور عقلی حیثیت سے اس نظریہ کی جو کمزوریاں ہیں ان سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے کہ فلسفہ اور اخلاق اور علوم تمدن واجتماع میں داخل ہوکر اس ظالم تخیل نے انسان کو برباد کرنے کے لئے کیسے شدید فتنے برپا کئے ہیں، تو شاید کسی صاحب بصیرت آدمی کو یہ ماننے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوگا کہ موجودہ دور میں جن نظریات نے انسان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کی ہے۔ یہ ڈارونیت ان سب کی سرتاج ہے۔ اس نے انسان کو یقین دلایا ہے کہ تو جانوروں میں سے بس ایک جانور ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آدم کی اولاد آج پورے اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں حیوانیت کا برتاؤ کررہی ہے۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ڈارون ہی کا نظریہ ہے جس نے انسان کے سامنے پورے نظام کائنات کو ایک رزم گاہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ڈارون کے پیش کردہ نظریہ کا ایک پہلو (Struggle For Existance) یہ بتاتا ہے کہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو طاقتور ہے وہ کمزور کو فنا کردے۔''

کیا؟

کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ذیشان امجد حاتم (ڈی یو، نئی دہلی)

عصرِ حاضر میں شیطانیت اپنے پورے شباب پر ہے۔ امیر اپنی دولت میں مزید اضافہ کرنے کے لیے ہر طرح کے جتن کر رہا ہے اور غریبوں کا خون چوس رہا ہے۔ کمزور لوگوں کو مزید کمزور کرنے کے لیے انھیں مختلف ذرائع سے خوئے غلامی میں پختہ تر کیا جا رہا ہے۔ ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ، فیس بک، واٹس ایپ، ٹیوٹر وغیرہ پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ تمام ذرائع جھوٹ، افواہ، نفرت کو سماج میں بڑھاوا دے رہے ہیں۔ آج دنیا میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو ان فتنوں سے بچا ہوا ہو۔

وطن عزیز کی موجودہ صورتِ حال:

اس بات کا اشارہ کر رہی ہے کہ ''پھر کسی کا امتحاں مقصود'' ہے۔ آج سرزمین ہند میں ظلم کا شکار عیسائی بھی ہیں، سکھ بھی ہیں، دلت بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف طبقات کے لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ان حالات میں علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

اب یہاں سوال یہ کھڑا ہوتا ہے کہ آخر ان حالات میں نسخۂ کیمیا کیا ہے؟

ہندوستان میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں: موجودہ حالات میں قرآن کریم کی یہ آیات امت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہیں:

''آپ کہہ دیجیے کہ اہلِ کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منھ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔'' (آل عمران، ۳: ۶۴)

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (حٰم السجدہ، ۴۱: ۳۳)

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے، یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔'' (النحل، ۱۶: ۱۲۵)

یہ آیاتِ قرآنی ہم مسلمانوں کے لیے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہیں۔ آبِ حیات سے وہی فیضیاب ہوتا ہے جو اس کو پیتا ہے۔ اگر آبِ حیات ہمارے سامنے ہو اور ہم اس کو ڈھونڈنے کہیں اور نکل جائیں تو ہماری مثال یقیناً ان لوگوں کی سی ہوگی جو اندھیری رات میں راستہ بھٹک گئے ہوں بلکہ ہماری مثال آج تقریباً ان لوگوں کی طرح ہی ہے کیوں کہ آج ہم اپنے مسائل کا حل اپنے رب کی کتاب میں نہیں تلاش کرتے، اپنی پریشانیوں کا علاج نبی اکرمؐ کی سیرت میں نہیں ڈھونڈتے بلکہ مختلف ازموں کا دروازہ کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں۔ کبھی کمیونزم کا دروازہ تو کبھی فیمینیزم کا، کبھی فاشزم کا تو کبھی سوشلزم کا تو کبھی کسی ازم کا تو کبھی کسی ازم کا۔ کیا اس غفلت کے بعد بھی اللہ کی نصرت آسکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

آج ضرورت ہے کہ ہم بحیثیت امت اپنے مقصد کو، اپنے منصب کو اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور راہِ حق کی جانب گامزن ہو جائیں۔ اللہ رب العالمین نے امتِ محمدیہ کو اسکی ذمہ داری کا احساس ان الفاظ میں دلایا ہے:

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر فاسق ہیں۔'' (آل عمران، ۳: ۱۱۰)

دعوتِ دین کا یہ فریضہ ''صبر'' کی صفت پروان چڑھانے کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے سورۃ العصر میں فرمایا ہے:

''زمانے کی قسم ۝ بالیقین انسان سرتاسر نقصان میں ہے ۝ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی ۝'' (سورۃ العصر ۱۰۳، ۱-۳)

آزمائش کا مقصد:

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے۔'' (العنکبوت ۲۹: ۲)

مسلمانوں کو صرف یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد، بغیر امتحان لیے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک خیال خام ہے۔ بلکہ انھیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے جانچا پرکھا جائے گا تا کہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔ آج کے حالات اور زمانہ قدیم میں مسلمانوں کے مکی حالات تقریباً ایک جیسے ہیں یا کچھ مختلف ہیں؟

مکی زندگی میں مسلمانوں کے حالات اور موجودہ وقت میں مسلمانوں کے حالات:

مکی زندگی میں مسلمانوں پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ آلِ یاسر کا واقعہ، بلالؓ کا صبر، حضرت حمزہؓ کی شہادت، حضرت خدیجہؓ کا انتقال اور مسلمانوں کو مارا پیٹا جانا، زدوکوب کیا جانا، ان پر فقرے کسنا، ان کی عورتوں کو ستانا، ان کے بچوں کو بھوکا مارنا،

(شعبِ ابی طالب کے واقعات) اور مکی زندگی کے ایسے کئی واقعات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر پے در پے مصیبتیں آ رہی تھیں مگر کیوں؟

اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ اے لوگو کہہ دو ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ''۔

کیا ہم پہ بھی اس لیے مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ رہا ہے؟ کیا موب لنچنگ کے واقعات اس لیے بڑھ رہے ہیں، کیا ہمارے نوجوانوں کو، ہماری عورتوں کو اس لیے ستایا جا رہا ہے؟ یا اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دے رہا ہے؟

ایک بات ہمیں سمجھ لینی چاہیے کہ اگر دعوتِ حق کے عوض ہم پر یہ مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں تو الحمدللہ بہت اچھی بات ہے۔ کہ شاید پھر کسی کا امتحان مقصود ہے آج کے دور میں اور یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے اور یہ جہاں صنم کدہ ہے۔ صنم کدے میں ابراہیمؑ کا رول ادا کرتے ہوئے ہم پر مصیبتیں آ رہی ہیں تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی ضرورت آئے گی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں خود کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اپنا احتساب کرنا مقصود ہے۔

بقول اقبالؒ:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل گر کوئی دفتر میں ہے

رسولِ اکرمؐ نے کن لوگوں کو خوشخبری دی ہے؟

آج کے حالات میں ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے جس میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

''اے مسلمانو! نبوت تمہارے درمیان موجود رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ اسے اٹھالے گا جب چاہے گا، پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ اسے بھی اٹھالے گا جب چاہے گا، پھر کاٹ کھانے والی ملوکیت کا دور آئے گا......''

اور اللہ کے رسولؐ کی یہ بات بھی کہ: ''اسلام اجنبیت سے پھیلا اور عنقریب ایک دور ایسا آئے گا کہ اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا تو مبارکباد ہے، خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جو اسلام کی اس اجنبیت کے دور میں اسلام کے ساتھ ساتھ خود اجنبی ہو جائیں۔'' (صحیح مسلم، ترمذی)

یعنی جب اسلام غربت (اجنبیت) کی حالت میں لوٹے تو اس کے ساتھ ساتھ خود کو غریب بنا لینے والے اور اسلام کا دامن نہ چھوڑنے والوں کے لیے آپؐ نے خوشخبری دی ہے تو آج کے اس دور میں غربا سے زیادہ کون خوش نصیب ہو سکتا ہے؟

انقلابات عالم
مستقبل کے امکانات

شہمینہ سبحان، ریاض

تبدیلیاں دراصل انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔ مختلف مراحل پر مختلف قسم کی تبدیلیاں کائنات کی فطرت ہے اور سیاسی، سماجی و نظریاتی تبدیلیاں دنیا کے مختلف حصوں میں ہمیشہ آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی گویا یہ ایک ناگزیر عنصر ہے۔ تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہیکہ یہ تاریخ مختلف قسم کے انقلابات سے بھری پڑی ہے اور جو انقلابات دنیا میں آئے ہیں ان میں نہ ہی پورے کامیاب رہے اور نہ ہی پورے ناکام۔ لیکن تاریخ انسانی پوری کوشش وجدوجہد سے عبارت ہے خواہ کہ کوشش کا جو بھی رخ رہا ہو۔ کوشش ایک مثبت پہلو ہے۔ انقلابات یوں تو فرد کی سطح پر بھی آتے ہیں اور اجتماعی سطح پر بھی، ان کی حیثیت علاقائی بھی ہوتی ہے اور قومی و بین الاقوامی، ان کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ انقلابات کے تناظر میں اگر ڈالی جائے تو وہ کچھ اس طرح ہیں۔

صنعتی انقلاب: جو شروع تو برطانیہ سے ہوا تھا لیکن بڑھتے بڑھتے امریکہ اور یورپ کے دوسرے حصوں تک پہنچ گیا۔ یہ ۱۷۵۰ سے ۱۸۰۰ کے درمیان واقع ہوا۔ اسکے جو اثرات سوسائٹی پر پڑے اس میں سے اہم نکات یہ کہ، لوگ شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے اور شہروں کی تعداد بڑھنے لگی، بہتر معیار زندگی کیلئے دوڑ دھوپ بڑھ گئی۔ حمل ونقل کے ذرائعوں میں بہتری آئی۔ کیپٹلزم کو فروغ ملا۔ طاقت کو حاصل کرنے کے نئے ذرائع ڈھونڈے جانے لگے۔

اسی طرح دنیا میں ایک انقلاب ''سائنٹفک ریویولیشن'' کے نام سے بھی آیا جو یورپ میں آیا تھا ۱۵۰۰ سے ۱۶۰۰ء کے درمیان۔ جس کو سائنس کی دنیا میں نشاۃ ثانیہ (وقفہء حیات نو) کہا جاتا ہے۔ جہاں سائنسی تجربات اسکے طریقے کار اور عوامل پر بہت بحث کی گئی۔ پرانے آئیڈیاز، تھیوریس پر سوال اٹھایا گیا اور بالخصوص ہیلیوسینٹرک تھیوری پر، تحقیق کی

گئی کہ سورج اس کائنات کا مرکز ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف سائنسی علوم پہ بھی بات کی گئی کہ جہاں نئی تبدیلی کی ضرورت ہو وہ لائی جاسکے اس طرح یہ انقلاب رونما ہوا اور بالکل اسی طرح کمرشیل انقلاب بھی اس دنیا کی تاریخ کا ایک اہم عنوان ہے۔ یہ یورپ میں برپا ہوا اور ۱۰۰۰ سے ۱۳۰۰ کے درمیان واقع ہوا۔ اس انقلاب کے ذریعے سے دنیا میں مادیت کی طرف دوڑنے بھاگنے کی خواہش پیدا کی گئی شہروں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ متوسط طبقے کی تعداد میں بھی بڑھوتری ہوئی اور اس انقلاب میں بھی کیپٹلزم کو فروغ ملا۔ بینکنگ سسٹم میں ترقی ہوئی، طاقت کو فروغ دینے والے ذرائع پر بھی غور کیا جانے لگا۔ بینکنگ کے نظام میں نئے تجربات کئے گئے اور ان کو اس کے ایک مستقل حصے کے طور پر شامل کیا گیا۔ تجارت کو بڑھانے کے عوامل پر بھی تحقیق کی گئی۔ اس کے علاوہ روس، فرانس اور ایران میں بھی مختلف ادوار میں انقلابات آتے رہے جس کی وجوہات، اثرات اور تفصیلات کے متعلق دوسرے مضامین میں روشنی ڈالی گئی جہاں کہیں جمہوریت اور کہیں اسلامی جمہوریہ ایران تشکیل پایا۔ (ایران کا انقلاب جو ۱۹۷۹ء میں آیا تھا کے بعد وہاں اسلام کو بحیثیت سرکاری مذہب قبول کیا گیا)

انقلابات کی تاریخ میں ایک انقلاب زراعت کے متعلق بھی آیا تھا۔ جو تقریبا ۱۰۰۰۰ بی سی کے درمیان آیا تھا جس میں لوگ دریاؤں کے کنارے بس جاتے تھے اس انقلاب کے ذریعے سے سماجی ترقی حاصل ہوئی۔ لوگ فارمنگ کے نئے ذرائع تلاشنے لگے، نئی ٹکنالوجی کو حاصل کرنے کا رجحان بڑھا۔ اور ساتھ ہی اس کا بھی اگر تذکرہ ہوجائے تو مناسب ہے کہ ایک انقلاب چین میں بھی آیا تھا ۱۹۱۲ سے ۱۹۴۹ کے درمیان۔ اس طرح چین، بحیثیت ریاست اس کا قیام عمل میں آیا اور اس انقلاب کے بعد وہاں کی حکومت نے اپنے ہی عوام کے حقوق کو تنگ کردیا تھا پھر کیمونسٹوں اور قومیت کے ماننے والوں کے درمیان ایک سیول وار چلنے لگی تھی، سیاسی آزادی محدود کردی گئی تھی، کسی بھی انسان کی زندگی کے متعلق اہم فیصلے کرنے کا حق کمیونسٹ حکومت کے زیر تحت ہوگیا۔ اس طرح کمیونسٹ بڑی طاقت بن گئی لیکن انکی لڑائی نیشنلسٹوں کے ساتھ باقی ہی رہی۔

اسی طرح ایک انقلاب کیوبا میں بھی برپا ہوا۔ ۱۹۵۹ میں، اس انقلاب کی خصوصیات یہ تھی کہ یہ ایک کمیونسٹ ریاست بنادی گئی۔ فیڈل کاسٹرو اسکا بانی تھا۔ اور اس انقلاب کے ذریعے سے اس نے تجارت اور صنعت کے شعبے پر پورا کنٹرول حاصل کیا اور کمیونزم کو یہاں پر برتری ملی۔ انقلابات کے حوالے سے بات اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ''انقلاب محمدی'' کا ذکر نہ کیا جائے یہ وہ انقلاب تھا جس نے دلوں کو مسخر کیا تھا جہاں بیابان میں رہنے والے وقت کے امام بن گئے جن سے رب راضی ہوگیا۔ رضی اللہ عنھم ورضواعنہ۔ جہاں ہر قسم کی طبقاتی تقسیم کو ختم کردیا گیا۔ اعلی وارفع کے پیمانے بدل دیئے گئے ''ان اکرمکم عنداللہ اتقکم''۔ جہاں سوسائٹی کے دبے ہوئے لوگوں کو بھی عزت وتوقیر بخشی گئی۔ ان کو باوقار مقام دیا گیا۔ جہاں لوگوں کو گندگیوں ورذالت سے نکال کر زندگی کی اعلی اقدار دی گئیں۔ ''وکنتم علی شفا حفرۃ من النار۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ''، اور زندگی کو اسکے مقصد سے آشنا کرایا گیا ''لیبلوکم ایکم احسن عملا''۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کی تعلیم دی گئی، غریبوں اور سماج کے پچھڑے ہوئے طبقات کے حقوق کو تسلیم کیا گیا۔ نظام عدل قائم کیا گیا، کوئی اونچ نیچ، ذات پات، حسب نسب کے فرق کے بغیر ''وکونوا قوامین بالقسط''۔ اس انقلاب کے ذریعے سے معشیت کو فروغ ملا، لوگوں کو ایک سیاسی نظام ملا۔

زندگی گزارنے کی اقدار ملیں غرض کہ زندگی کا ایک رخ متعین کیا گیا گویا اس انقلاب نے انسانی تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ زندگیاں بدل گئیں۔

ان انقلابات کی روشنی میں مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیا جائے اور بالخصوص اسلام کے حوالے سے بات کی جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ اس نور کو ہمیشہ روشن رہنا ہے۔ اس چراغ کے لئے یہ طئے ہے کہ وہ نہیں بجھے گا بس اپنے حصے کی شمع روشن کئے جانا ہے۔ صلیبی طاقتیں آج بھی اپنے عروج پر ہے اور ساری دنیا کے ذہنوں کو انھوں نے مرعوب کررکھا ہے اپنا کلچر، اپنی شناخت، اپنی اقدار کو تک لوگوں نے مغربیت میں ڈھال لیا ہے ان کا مروجہ تعلیمی نظام فوقیت پایا۔ غرض ان کا ہی ڈنکا بجنے لگا ہے۔ لیکن مستقبل کی آنکھ دیکھتی ہے اور امکان یہ ہے کہ حرکت ہوگی اور بالضرور ہوگی، زمانہ کروٹ لے گا، جس طرح جسم میں حرکت ہوتی ہے اور وہ کروٹ لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح تبدیلیاں برپا ہوتی ہیں اور انقلاب آتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں انقلابات کا سلسلہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود تاریخ نوع انسانی۔ پیدائش آدم کے روز اول سے ہی یہ سلسلہ جاری ہے گرچہ کہ رفتار کبھی دھیمی اور کبھی تیز ہوتی رہی۔ کبھی انقلاب، ترقی معکوس کے مراحل بھی پیش آئے اور کبھی جمود کے ادوار بھی مشاہدے میں آتے رہے ہیں۔ اسلام ومسلمانوں کو نئے وسائل و ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے دنیا کے سامنے اسکے افکار ونظریات کو پیش کیا جانا وقت کا تقاضہ ہے۔

دنیا اس وقت ایک دفاعی جنگ لڑرہی ہے اور اس کے سامنے ایک بہترین نظریہ، ایک بہترین حل پیش کیا جائے تو امکان بلکہ یقین کی حد تک کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل ان شاء اللہ اسلام کا ہوگا۔ یہاں اس نکتے کا تذکرہ بھی کرتی چلوں کہ اسلام جس کے ماننے والوں میں ایک طبقہ وہ جس نے اس دین کو اپنی کال کوٹھریوں میں بند کردیا ہے انھوں نے اس کو بہت نقصان پہنچایا ہے، دوسرا وہ جو سیکولرازم کا حامی بظاہر مسلمان ہے ان سے تو کوئی امید نہیں، پھر تیسرا وہ جس کو قرآن نے سورہ فاطر میں ''راست باز لوگوں'' کے نام سے یاد کیا ہے اور کہا کہ یہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔ انھوں نے حکمت وموعظت کے اصول اپنائے جن کے ذریعے سے ایک خوشگوار تبدیلی آرہی ہے اور سعید روحیں اس میں داخل ہورہی ہیں یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ دوسری طرف جہاں غیر مسلم دنیا ساری اقوام کو اپنے زیر نگین کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں جہاں وہ کہتے تھے کہ جسموں پر ہماری حکومت ہے تو دلوں اور دماغوں کو بھی ہمارے زیر نگین ہونا چاہیے ان پر بھی ایک بوکھلاہٹ طاری ہے وہ اپنا شکنجہ مزید سخت تر کرنے کیلئے کوشاں ہے براہ راست بھی اور اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعے بھی۔ ایک کشمکش سی برپا ہے۔ مسلم ممالک اور مسلمانوں پر اپنے منصوبوں کو لاگو کرنے کے لئے ان صلیبی، سامراجی وصیہونی طاقتوں نے بہت قوتیں لگادی ہیں اور ان کی کوشش مستقل چلتی جارہی ہے ایسے میں ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام کے مخالفین کی یہ سرگرمیاں اس وقت دفاعی جنگ سے زیادہ کچھ نہیں اور یہ کہ صلیبی، صیہونی وسامراجی طاقتیں اس وقت ہاری ہوئی جنگ لڑرہی ہیں کہ مسلمان قافلہ سخت جان کی طرح پامردی سے مقابلہ کررہے ہیں اور مستقبل ان شاء اللہ امید افزاء ہے صرف یہ کہ کوششوں کو صحیح رخ دیا جائے اور ایک مستقل کوشش کی جائے۔ ''والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا'' (سورہ عنکبوت) اور پھر نوید مل ہی جائے گی۔ ''یریدون لیطفئوا نوراللہ بافواھھم واللہ متم نورہ'' (سورہ صف)

جہاد اور روح جہاد

مصنف: مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

صفحات: ۳۸۴، قیمت: ۳۰۰ روپے،

اشاعت: ۲۰۱۷ء

مبصر: مولانا محمد فاروق خان

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی تازہ تصنیف 'جہاد اور روح جہاد' اپنے موضوع پر ایک اہم تصنیف ہے۔ اس کے مباحث بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور وہ ہم سے غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض جزوی مسائل سے قارئین کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اپنے موضوع پر یہ ایک قابل قدر تصنیف ہے جس میں موضوع سے متعلق تقریباً سارے ہی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اور ان کی حیثیت متعین کی گئی ہے۔ یہ محض ایک علمی تصنیف نہیں ہے بلکہ دورِ حاضر میں جو تحریکیں رونما ہوئی ہیں اور اب بھی جہاد اور حریت کے نام پر جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کے جا و بے جا ہونے پر بغیر کسی تذبذب کے روشنی ڈالی گئی ہے جس سے لوگوں کو ان کے بارے میں رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور وہ جوش و جذبات سے ہٹ کر سنجیدگی کے ساتھ ان کی حیثیت متعین کر سکتے ہیں۔

ایسے دانشور بھی پائے جاتے ہیں جو جہاد کی روح اور اس کی اسپرٹ سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں، ان کے خیال میں صلح اور سر جھکانے ہی سے فتح یابی ممکن ہے، اس فکر و نظریے کی مصنف نے مدلل تردید کی ہے اور دکھایا ہے کہ یہ نظریہ کتاب و سنت کے بالکل خلاف ہے، خلفائے راشدین کا عمل بھی اس کی تردید کرتا ہے۔

جہاد کے سلسلے میں مختلف نظریات و خیالات جو اصحاب فکر کے درمیان پائے جاتے ہیں ان کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے اور اس پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ صائب رائے کیا ہوسکتی ہے۔ بحث اور گفتگو کے درمیان جو اشکالات وارد کیے جاسکتے ہیں ان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جہاد کا جو صحیح نقطہ نظر ہے اور اس کا جو مقصود ہے وہ اگر نگاہوں سے اوجھل نہ ہو تو مسئلہ جہاد پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ جہاد فکر و نظریے کے لحاظ سے غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے اور نہ عمل کے لحاظ سے اس میں کوئی نقص یا عیب کی گنجائش پائی جاسکتی ہے۔ جس چیز کا مقصد ظلم و زیادتی اور طغیان کا خاتمہ ہو وہ خود کیسے ظلم و زیادتی کی شکل میں منظر عام پر آسکتی ہے۔

جہاد کوئی لہو لعب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سنجیدہ اقدام ہے۔ اسے دفاعی جنگ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اقدام خیر کے لیے ہے۔ خیر کے حصول کے لیے شر کو ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا۔ پاک مقاصد پاک ذرائع سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ جہاد کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اس کتاب میں ان شرائط پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ ان شرائط کا پاس و لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے آپ کا جہاد شر و فتنہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں بے اعتدالیوں کو اختیار کرنے کی وجہ سے پریشانیاں دور نہیں ہوئیں بلکہ خرابیوں کو رونما ہونے کا پورا موقع فراہم ہوگیا۔

تاریخ کے بہت سارے حادثات اور واقعات ایسے ہیں جن کی وجہ سے مخالفین حق کو یہ موقع ملتا ہے اور وہ اپنا یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ اسلام قساوت اور تشدد اور انتہا پسندی کا حامل مذہب ہے۔ ایسے واقعات اور ایسی بہت سی روایات کا مصنف نے تجزیہ کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ وہ واقعات اپنی کوئی حقیقت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مخالفین حق کی طرف سے محض پروپیگنڈہ ہو اور ہم نے انہیں مان لیا ہو اور اس سلسلے میں ہمیں دور دراز کی تاویلات سے کام لینے پر مجبور ہونا پڑا ہو۔ مثال کے طور پر بنوقریظہ کے سینکڑوں افراد کے قتل کا معاملہ یا کعب بن اشرف کو دھوکہ سے ہلاک کیے جانے کا معاملہ ہے۔ اس طرح کے بہت سارے امور پر محققانہ نظر ڈالی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا دامن تشدد اور قساوت قلبی اور ظالمانہ رویوں سے بالکل پاک ہے۔

اسے کوئی پسند نہیں کرسکتا کہ جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی کسی شکل کو بھی جائز سمجھا جائے۔ جبر و ظلم تو الگ، کسی قسم کی بے اعتدالی کو بھی اہل فکر گوارا نہیں کر سکتے۔ اسلام تو ایک کامل دین ہے جس نے عالم انسانیت کے تمام ہی مسائل کو اپنے دائرۂ فکر و عمل میں لے رکھا ہے۔ اس سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کو گوارا کرے گا کہ لوگ محض رسمی طور پر ایک خاص طرح کی مذہبیت کا اظہار کریں اور خدا کی زمین مفسد اور سرکشوں کی وجہ سے فتنہ و فساد اور ظلم و ستم کی آماجگاہ بن کر رہ جائے۔

'جہاد اور روح جہاد' میں اس کا واضح طور سے اظہار کیا گیا ہے کہ جہاد ایک سعی و جہد اور مسلسل کوشش (Struggle) ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے کا نہیں۔ روح جہاد اہل ایمان کی زندگی اور بقا کی علامت ہے۔ اگر اس روح سے ہمارے قلوب خالی ہوں تو صحیح معنی میں ہم کوئی زندہ قوم نہیں ہیں۔ محض سانس لینے کو زندگی نہیں کہتے۔ اسلام اپنے فکر و نظر اور طرز حیات کے لحاظ سے دنیائے انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے۔ اسلامی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت عام ہو اور خدا کی نوازشوں سے ہر ایک کو استفادے کا موقع فراہم ہوسکے۔ یہ جہاد ہے امن و سلامتی کے قیام کے لیے، یہ جہاد ہے ظلم و ستم اور جبر و استبداد کو مٹانے کے لیے، یہ جہاد ہے اس لیے کہ زمین میں ناحق خون نہ بہایا جائے، اور یہ جہاد ہے اس مقصد کے حصول کے لیے کہ مجبوروں و بیکسوں اور مظلوموں کو بے چارگی، بے کسی اور ظلم سے نجات دلائی جائے۔

اسلام ایک آفاقی دین ہے، وہ زمین کے محض کسی خطے، یا محض کسی قوم کے لیے نہیں اترا ہے، بلکہ اس کے پیش نظر سارے انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الدین النصیحة دین خیر خواہی کا نام ہے اور یہ خیر خواہی ساری انسانیت کے لیے ہے، اور اس خیر خواہی کا حق اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جبکہ ہمارا رویہ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا ہو۔ ہم اپنوں ہی کے نہیں بلکہ برسرپیکار قوموں کے بھی خیر خواہ ہوں۔ اس خیر خواہی کے لیے جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد میں شامل ہے۔ خواہ یہ کوشش زبان اور قلم سے ہو، یا یہ کوشش صحیح فکر کی اشاعت کے ذریعہ سے ہو، یا یہ کوشش دیگر وسائل کے ذریعہ سے ہو، جو ہمیں حاصل ہوں۔

انسانیت کی تلاش

محمد رفیع انصاری

ذیل کا انشائیہ 'تکریم انسانیت مہم' کے ضمن میں بھیونڈی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں پڑھا گیا۔

ہوش سنبھالنے کے بعد ہندو اور مسلمان سے سابقہ تو پہلے پڑا مگر 'انسان' سے ملاقات بہت بعد میں ہوئی۔ تقریباً دس پندرہ برس کی عمر کو پہنچنے پر لفظ 'انسانیت' کانوں میں پڑا۔ میرے ایک کہنہ سالہ بزرگ تھے۔ علم دوست سے زیادہ انسان دوست۔ آدمی نامہ ان کی پسندیدہ نظم تھی۔ مہاتما گاندھی کے پرستار اور سرحدی گاندھی کے خدائی فوجدار تھے۔

اکثر شکایت بھرے لہجے میں کہتے ''آج کے لوگوں میں ذرا بھی انسانیت نہیں ہے''۔ یہ جملہ بار بار سننے کے بعد ایک دن ہمت کر کے میں نے اُن سے دریافت کیا ''بابا! یہ انسانیت کیا ہوتی ہے؟''

بے نیازی سے بولے 'اب تمھیں کیا بتائیں۔ بس یوں سمجھو کہ جیسے گنوار پن، بھول پن اور اپنا پن ہوتا ہے اسی طرح کی چیز یہ 'آدمی پن' بھی ہے۔ اسی کو انسانیت کہتے ہیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولے 'آدمی کے اندر ایک انسان بھی ہوتا ہے۔ کہیں عیاں، کہیں نہاں۔ جب یہ سامنے آتا ہے تو یک لخت جیسے خاک کے پتلے میں جمالِ کبریا کی جلوہ گری ہونے لگتی ہے، اور اس طرزِ عمل پر فطرت بھی مسکرا اُٹھتی ہے۔''

''کیا یہ کمال ہر آدمی کرسکتا ہے؟ میں نے ان سے پوچھا''

''سب آدمی کے ساتھ ایسا ہو، یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ بہت سے لوگ دُنیا میں ایسے بھی گزرے ہیں، جو دھرتی کا بوجھ بنے رہے، یوں ہی آکر چلے گئے، لیکن اہلِ دُنیا ان کے اندر کے آدمی سے ملاقات نہ کرسکے۔''

اتنا کہنے کے بعد انھوں نے ایک سرد آہ بھری اور بولے ''مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ دُنیا میں جیسے جیسے آدمیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے ویسے ویسے انسانوں کی تعداد گھٹنے لگی ہے۔ اسے اہلِ بینا قحط الرجال کہتے ہیں۔ بزرگ کی باتیں مجھے فلسفیانہ لگیں تو میں نے ان سے سیدھا سوال کیا۔ ''بابا! سب چھوڑیے یہ بتائیے کہ 'آخر آدمی کے اندر انسانیت چھپی کیوں ہوتی ہے یعنی وہ اسے چھپا کر کیوں رکھتا ہے؟''۔ میرا یہ سوال سن کر وہ کچھ دیر چُپ رہے۔ پھر مسکرائے اور بولے 'برخوردار! یہ بڑا عجیب سوال تم نے کیا ہے؟ دراصل دُنیا کے حساس لوگ اسی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش میں ہیں؟''

آدمی کی اس روش کو آپ کیا نام دیں گے بابا! میں نے پوچھا تو بولے 'اسے عرفِ عام میں 'شرافت' کہتے ہیں اور اس کا مظاہرہ کرنے والا 'شریف آدمی' کہلاتا ہے۔ اس وقت اس کرۂ ارض پر جتنے شریف لوگ بستے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی شرفاء اتنی بڑی تعداد میں یہاں نہیں تھے۔''

''اپنی انسانیت کو چھپانے کی کوئی (معقول) وجہ آپ کی سمجھ میں آتی ہے؟'' میں نے ان سے پوچھا۔ تو بولے 'شریفوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے آسانی کو مشکل میں بدل دیا ہے۔''

یہ آج سے چالیس بیالیس سال پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت نئی اور پُرانی بستیاں شریفوں سے بھری پڑی تھیں۔ ہر چار پانچ گھر چھوڑ کر ایک شریف آدمی اپنے وجود کا احساس دلاتا تھا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہوں تو لگتا ہے میں بھی ایک شریف آدمی ہوں۔ نہ صرف شریف آدمی بلکہ پڑھا لکھا شریف آدمی۔ جس کا درجہ دوسرے شریفوں سے دو چند ہوتا ہے۔ میں نے اکثر اپنے شرافت کا بے مثال مظاہرہ بھی کیا ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے میں اس سے باز نہیں آتا۔ ماضی کا ایک سانحہ آج بھی میرا پیچھا کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میرے ایک اچھے ہمسائے نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر ایک غریب الدیار نوجوان کو چوری کے جھوٹے الزام میں اس قدر پیٹا، اس قدر پیٹا کہ وہ بے چارہ زخموں کی تاب نہ لاکر وہیں چل بسا۔ میں نے یہ سب دیکھا مگر ایک شریف آدمی کی طرح خاموش تماشائی بنا رہا۔۔۔۔ جب بھی مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ نوجوان مجھ سے پوچھ رہا ہو۔۔۔۔۔ ''جناب! آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟''

ایک زمانہ وہ تھا جب 'شریفوں' کا راج تھا۔۔۔۔ ایک زمانہ یہ ہے کہ اب شریفوں کی جگہ شریروں نے لے لی ہے۔ پہلے واردات سرزد ہونے پر شریف آدمی خاموش تماشائی بنا رہتا تھا۔۔۔ آج شریر واردات انجام دے کر شریفوں کو بھی اپنے نیک کام میں شریک کر کے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔ یعنی ان کے ماتھے پر لگے 'خاموش تماشائی' کے داغ کو مٹا کر ان کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔۔۔۔ ایسے میں اگر کسی کے دل میں انسانیت جاگ جائے۔۔۔۔ تو احتجاجاً شریروں کی ٹولی 'کرانتی مورچے' میں بدل جاتی ہے۔۔۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ مورچے کے آگے بیچاری سرکار کو بھی گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔۔۔۔ القصہ مختصر تکریمِ انسانیت اِس وقت اپنے سفر کے عبوری دور سے گزر رہی ہے۔

سفر کا یہ سخت مقام ہے۔۔۔۔ حالات مایوس کن ہیں۔۔۔۔ مگر حوصلہ بنائے رکھنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ نفرت کے اندھیرے کو نفرت کی تاریکی سے مٹایا نہیں جاسکتا۔ یہ کام محبت کی شمعِ فروزاں ہی کرسکتی ہے۔ آیئے تکریمِ انسانیت کے درد کے اس سفر کے لئے راستہ ہموار کریں۔

TWELVE YEARS A SLAVE

اس فلم کی کہانی ایک شخص کے ارد گرد گھومتی ہے جسے دھوکے سے قید کر کے غلام بنالیا جاتا ہے۔ سولمن نارتھپ نامی یہ افریقی شخص اپنے بیوی اور دو بچوں کے ساتھ امریکہ میں ایک آزادانہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ سولمن پیشے سے موسیقار ہے جسے وائلن بجانے میں مہارت ہے۔ ایک دن دو گورے شخص اسے اک نئی اور بڑی جاب کی لالچ دے کر اسے واشنگٹن لیجاتے ہیں۔ واشنگٹن پہنچتے ہی دونوں شخص سولمن کو نشیلی دوا کھلا کر بیہوش کر دیتے ہیں اور پھر اسے ایک برک نامی شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ برچ، سولمن کو ایسی جگہ لے جاتا ہے جہاں اسکی طرح اور بھی لوگ یرغمال بنے ہوتے ہیں، جن کا استعمال غلط کاموں کے لئے کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد اسے ایک ڈرگس کی پیداوار کرنے والے شخص کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں سولمن کا ساتھی غلاموں کے ساتھ جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ اس بیچ سولمن کئی بار بھاگنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوپاتا۔ کچھ دنوں بعد کسی سبب ڈرگس کی پیداوار میں کافی نقصان ہوجاتا ہے۔ پھر سولمن کو ایک دوسرے شخص کے ہاتھوں بیچ دیا جاتا ہے۔ اس بار سولمن اپنے نئے مالک کا بھروسہ جیتنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور اسے وائلن بجانے کی اجازت دیتا ہے۔ کچھ دنوں کی جمع پونجی ہوجانے کے بعد سولمن ایک شخص کے ہاتھوں اپنے گھر خط بھیجانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ شخص بھی اسے دھوکہ دیتا ہے اور اسکی جمع پونجی لیکر اسکے مالک کو بتادیتا ہے۔ سولمن بہت مشکل سے اپنے مالک کا بھروسہ دوبارہ جیتنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ کچھ دن بعد سولمن ایک construction site پر کام کرنے لگتا ہے۔ یہاں اسے ایک بھروسے مند شخص ملتا ہے جو اسکا خط اسکے گھر پہنچانے کی حامی بھرتا ہے اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر سولمن کی مدد کرتا ہے۔ اس طرح پھر سولمن کو غلامی کی زندگی سے چھٹکارا ملتا ہے۔ اس پوری فلم میں سولمن کی زندگی کی کشمکش کو دکھایا گیا ہے۔ اس فلم میں کئی ایسے مناظر ہیں جن میں عورتوں پر ظلم کرتے ہوئے ان کے مالکان کو دکھایا گیا ہے۔ یہ مناظر فحاشی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ان مناظر کو حذف کی ہوئی فلم میسر آتی ہے تب ہی اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

جیک شاہین

جیک شاہین ۲۱ ستمبر ۱۹۳۵ میں امیریکہ میں پیدا ہوئے۔ فلموں اور ٹی وی سیریز میں عربوں اور مسلمانوں کی شبیہ کو بگاڑ کر پیش کیا جاتا تھا اور اب بھی کیا جاتا ہے۔ شاہین نے اس شبیہ کو درست کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ برسوں سے عربوں کو ہالی ووڈ فلموں میں ایک تشدد اور ضمیر دروش کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، یہ شاہین ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اس مسئلے کو اٹھایا اور اس سے لڑنے کے لئے اپنی ساری عمر وقف کردی۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء تا ۲۰۰۰ کے عرصے میں بنے والی تقریباً ایک ہزار فلموں میں جن میں عرب یا مسلم کردار دکھائے گئے ہیں، ان پر تحقیق کی، جس میں یہ معلوم ہوا کہ ان میں صرف ۱۲ فلموں میں مسلمانوں اور عربوں کے کردار کو مثبت دکھایا گیا ہے۔ انہوں نے سیکڑوں لیکچرز، ٹی وی شوز، نظریاتی مضامین اور کتابوں کے ذریعے اس مسئلے کو دنیا کے سامنے لایا۔ ہالی ووڈ میں جانوروں کے حقوق کے لئے ایک طویل عرصے سے امریکی ہیومن اسوسی ایشن نامی تنظیم کام کررہی ہے، لیکن عرب اور مسلمانوں کے پاس وسیع وسائل ہونے کے باوجود ان کی کوئی تنظیم نہیں ہے۔ اس مسئلے کو اجاگر کرنے اور اس سے نمٹنے کی کوشش کے باوجود شاہین کو انہی لوگوں سے کام حمایت ملی جن کا وہ دفاع کررہے تھے۔ انہوں نے اس مشن کو بڑی مشکل سے جاری رکھا تھا اور اس کے لئے اپنی ساری آمدنی اور وسائل کی انہیں سرمایہ کاری بھی کرنی پڑی۔

اسی غرض سے انہوں نے ڈزنی کو اس کے بلاک بسٹر شو عربین نائٹس کے شدت پسند گیت کو تبدیل کرنے کی بھی ترغیب دی۔ ۱۱ ستمبر، کے حملے کے بعد اور دہشت گردی کے خلاف جنگ نے اس عمل کو مزید تیز کردیا ہے۔ ان کے سبب فلموں، ٹی وی شوز اور کتابوں میں مسلمانوں اور عربوں کی شبیہ کو بگاڑنے کا ایک سیلاب سا آگیا اور شاہین نے اپنی آخری سانس تک اس سے لڑنے کا چیلنج قبول کیا۔ اور اسی طرح شاہین ۹، جولائی ۲۰۱۷ کو کینسر کے سبب ۸۱ برس کی عمر میں اس دور فانی کو کوچ کر گئے۔

ایس آئی او مرکزی حکومت کے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کو ختم کرنے کے مطالبے کی مذمت کرتی ہے

ایس آئی او آف انڈیا کے قومی صدر نحاس مالا نے کہا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار پر پیدا تنازعہ بے بنیاد اور مکمل طور پر غلط ہے۔ قومی اقلیتی کمیشن کے مطابق جامعہ ملیہ اسلامیہ مسلمانوں کے لئے انہی کی طرف سے قائم کردہ ادارہ ہے اور اس کی شناخت ہمیشہ ایک مسلم ادارے کے طور پر رہی ہے، جو کبھی کھو نہیں سکتی۔ اس بنیاد پر ادارہ ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 30 (1) اور قومی اقلیتی کمیشن ایکٹ کے حصہ 2 (G) کے تحت آتا ہے۔ ایس آئی او آئین کے آرٹیکل 30 کے تحت مسلم کمیونٹی کی طرف سے ان کے اس حق کا مطالبہ کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمام اقلیتی طبقوں کو اپنی دلچسپی کے اداروں کو قائم کرنے اور انہیں چلانے کا حق ہوگا۔

انہوں نے کہا کہ ایس آئی او کو عدالت پر مکمل اعتماد ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ کیس کو سنجیدگی سے لے گا اور آئین کے آرٹیکل 30 میں بیان حقوق اور اس ادارے کے قیام کے مخصوص تاریخی سیاق وسباق پر غور کرتے ہوئے کوئی فیصلہ لے گا۔ شروعات سے ہی مرکزی حکومت کا رویہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کو ختم کرنے کا رہا ہے جو کہ تاریخی حقائق کو نظرانداز کرنا ہے۔ پہلے بھی جامعہ کے اقلیتی کردار کو ختم کرنے سے متعلق بیان آچکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایس آئی او کا یقین ہے اور ہم دعوی کرتے ہیں کہ جامعہ کے کردار کو اس وقت تک متعین نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس کی تصیب کے مخصوص تاریخی سیاق وسباق کو سمجھ نہ لیا جائے۔

بلقیس بانو : پُرامن احتجاج کا ایک بڑا نمونہ

پریس کلب آف انڈیا میں منعقد ایک پریس کانفرنس میں، بلقیس بانو نے اپنا ایک بڑا خواب عوام کے سامنے رکھا۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک دن، ان کی چھوٹی بیٹی ہزرا یعقوب، ایک وکیل کے طور پر ان سبھی کو انصاف دلانے کے لئے قانونی طور پر لڑائی لڑے گی، جنہیں انصاف دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ ان کے اس خواب کی تعبیر کی طرف اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی جانب سے پہلا قدم بڑھایا گیا ہے۔ ایس آئی او آف انڈیا نے عہد کیا ہے کہ وہ ہزرا کو ہر ممکن مدد فراہم کرائے گی جب تک کہ وہ قانون کی پڑھائی پوری نہیں کر لیتی۔ ایس آئی او کے قومی سکریٹری توصیف میڈیکری نے بلقیس بانو کو ایک مومنٹو اور ہزرا یعقوب کی تعلیمی اسکالرشپ کی پہلی قسط دی۔ 15 سال سے زائد عرصے سے ان کے مستحکم عزم کے لئے ایس آئی او بلقیس بانو کو سلام کرتی ہے۔

جب خودمختاری دلوں پر راج کرتی ہے نسلیں تباہ ہوتی ہیں

گورکھپور سانحہ کے پس منظر میں ۱۳ اگست کو یوپی بھون پر ایس آئی او نے دیگر سماجی اور طلبا تنظیموں کے ساتھ مظاہرہ کیا۔

گورکھپور کے میڈیکل ہسپتال میں ہوئے المناک حادثہ کا شکار بچوں کے والدین کے ساتھ اظہار تعزیت کرتے ہوئے صدر تنظیم ایس آئی او نحاس مالا نے کہا کہ یہ المناک حادثہ ہسپتال کے انتظامیہ کی خودغرض ذہنیت کی عکاسی ہے جو دیگر چھوٹے مسائل میں مصروف تھے اور بنیادی دیکھ بھال اور سہولیات کی عدم دستیابی سے لاتعلق رہے۔

موصوف نے مزید کہا کہ چیف منسٹر یوگی آدیتیہ ناتھ کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کی وطن دوستی کو جانچنے کے بجائے ان معصوم بچوں کی زندگی کے نقصان کا جواب دیں۔ اور اس معاملے میں منصفانہ انکوائری کا مطالبہ کیا اور کہا کہ حکومت مجرمین کے خلاف سخت کارروائی کریں۔ یہ مجموعی طور پر ملک کے ہیلتھ کیئر پر سوال کھڑا کرنے والا واقعہ ہے۔ صرف مسئلہ کو ختم کرنے کے لئے، یوگی حکومت نے ڈاکٹر کیفیل خان کو برطرف کر دیا جس نے بہت سے بچوں کو ہسپتال میں اپنے خطرے پر بچایا۔

حکومت نے اپنے تعصبی رویہ پر بحث کرنے سے انکار کیا، اگلے سال سے اردو میں بھی منعقد ہوگا میڈیکل ٹیسٹ

سپریم کورٹ نے مرکزی حکومت کو میڈیکل میں داخلہ کے لئے ہونے والے ٹیسٹ (NEET) کے سیشن 19-2018 میں بطور زبان اردو کو شامل کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے، ایس آئی او سے حکومت کے خلاف درخواست واپس لینے کے لئے پوچھا تھا لیکن ایس او آئی کی جانب سے پیش کردہ وکیل ریوندر ایس گریہ نے درخواست کو واپس لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ 4 جنوری 2017 کو، مہاراشٹر حکومت نے مرکزی حکومت کو ٹیسٹ میں اردو شامل کرنے کی درخواست کی تھی لیکن مرکزی حکومت نے دعوی کیا تھا کہ یہ درخواست انہیں 17 جنوری 2017 کو موصول ہوئی۔ اگلی درخواست میں، مرکز نے قبول کیا کہ اسے 4 جنوری کو ٹیسٹ میں اردو شامل کرنے کا خط ملا تھا۔

اس سلسلے میں ایس آئی او نے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر اردو کو ٹیسٹ میں شامل نہیں کرنا چاہتی ہے کیونکہ حکومت اردو کو امتیازی حیثیت سے دیکھتی ہے۔ چونکہ اردو زبان مسلمانوں کے ساتھ منسلک ہے، اسی لئے حکومت تعصبی رویہ اختیار کر اردو کو جان بوجھ کر ٹیسٹ میں شامل نہیں کر رہی ہے۔

حکومت نے ایس آئی او سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ درخواست سے یہ مواد ہٹانے لیکن ایس آئی او نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عدالت نے ایس آئی او سے یہ الزامات ثابت کرنے کے لئے کہا۔ آج مرکزی حکومت نے کیس کو بند کرنے پر اتفاق کیا اور معاملے پر آگے بحث نہیں کی۔ عدالت نے آخری فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ اس سال کے امتحانات ہو چکے ہیں اور ہم واپس پیچھے نہیں جاسکتے۔ حکومت نے عدالت کو اگلے سال سے ٹیسٹ، اردو زبان میں منعقد کرنے کا بھروسہ دلایا ہے۔

ماہنامہ
رفیقِ منزل
کی ماہ دسمبر میں خصوصی پیشکش

انشائیے
شعر و غزل
ادب اطفال
طنز و مزاح
خاکے
افسانے

مصنفین کے لئے ہدایات

- افسانہ ۴۰۰۰ تا ۵۰۰۰ الفاظ پر مبنی ہو۔
- ٹائپ شدہ ہو
- تخلیقات خاص رفیق منزل کے لئے ہوں۔
- طنز و مزاح، انشائیہ، اور خاکہ ۲۰۰۰ سے ۳۰۰۰ الفاظ پر مبنی ہو۔
- اپنی تخلیقات ۱۵/۱ اکتوبر ۲۰۱۷ سے قبل ارسال کردیں۔

editor@rafeeqemanzil.com